NEHRU
BAL PUSTAKALAYA

حصہ دوم

ایف۔ سی۔ فری ٹاس

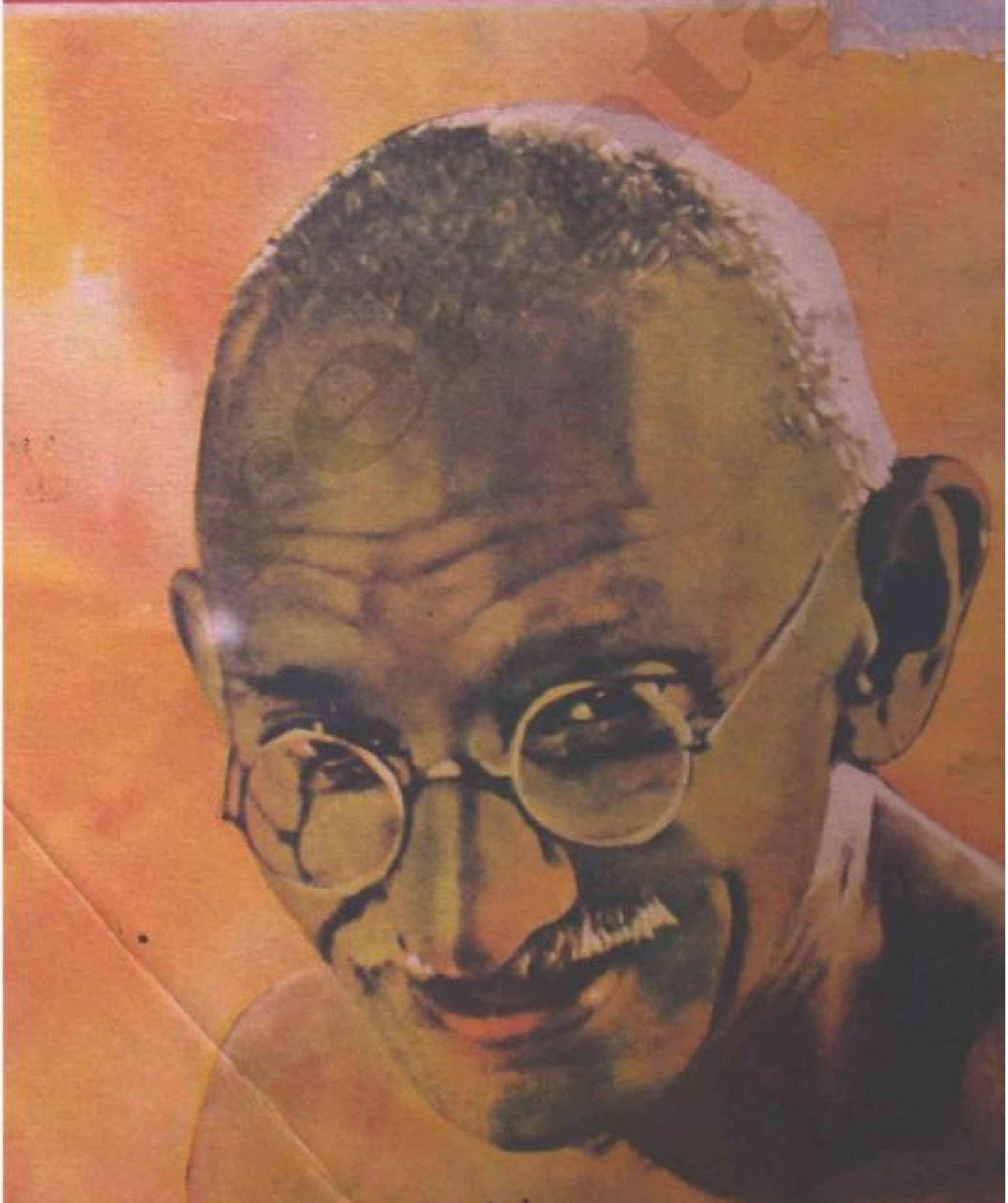

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا

ستمبر 1970 اساون 1892

کاپی رائٹ
ایف۔ سی۔ فری ٹاس 1970

Translated by
Saleha Abid Husain
Bapu Part II (Urdu)

قیمت 1.50

سیکریٹری نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا۔ اے۔ ۵ گرین پارک نئی دہلی۔ ۱۶ نے

rekhta

نہرو بال پستکالیہ ۲۰

باپو

(دوسرا حصہ)

مصنف اور مصور
ایف۔ سی۔ فری ٹاس

نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا
نئی دہلی

rekhta

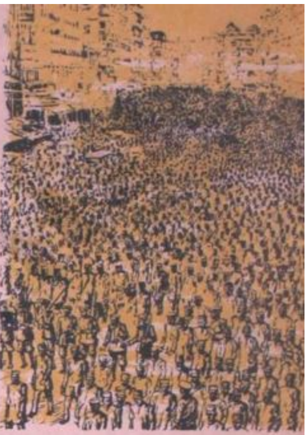

گاندھی جی کو نمک کا قانون توڑنے کے جرم میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس پر پورے ہندوستان میں مکمل ہڑتال ہوئی۔ اگرچہ کہیں کہیں تشدد سے بھی کام لیا گیا مگر عام طور پر سول نافرمانی پُرامن رہی۔

ایسا لگتا تھا کہ بمبئی میں دو حکومتیں ہیں۔ ساری یورپین اور ہندوستانی فوج تو برطانیہ کی وفادار تھی اور باقی سب لوگ کانگریس کا ساتھ دے رہے تھے۔ ہر ہفتے ہڑتالیں ہو رہی تھیں۔

ایک منٹ کے نوٹس پر شہر کی سب دکانیں بند ہو جاتیں اور سڑکوں پر ہزاروں مرد اور عورت جمع ہو جاتے۔ ہر طرف مکمل سناٹا چھا جاتا۔ آنے جانے کے لیے "کانگریس سے پرمٹ لینا ہوتا تھا۔ سفید کپڑوں میں ملبوس لوگ، وطنی گیت گاتے ہوئے جلوسوں کی رہنمائی کرتے نظر آتے تھے۔ یہ سب لوگ ہاتھ کا کتا بُنا کھدر پہنتے تھے۔

اب ہندوستانی برطانوی راج کو کسی طرح برداشت کرنے پر تیار نہ تھے۔

لارڈ ارون چاہتے تھے کہ گاندھی جی سے بات چیت کر کے کوئی صورت سمجھوتے کی نکالیں۔ ۲۵ جنوری کو انھوں نے حکم دیا کہ گاندھی جی اور کانگریس کی مجلسِ انتظامیہ کے سب ممبروں کو رہا کر دیا جائے تاکہ وہ لوگ آپس میں بات چیت کر کے کچھ طے کر سکیں۔ ۲۶ جنوری ۱۹۳۱ء کو گاندھی جی اور دوسرے لیڈروں کو چھوڑ دیا گیا۔ لیکن حکومت کی سختیاں اب بھی جاری تھیں۔ گاندھی جی نے خواہش ظاہر کی کہ وہ وائسرائے سے مل کر دوبدو بات کرنا چاہتے ہیں۔

الٰہ آباد میں ۶ فروری کو کانگریس کی میٹنگ میں لیڈروں نے طے کیا کہ گاندھی جی

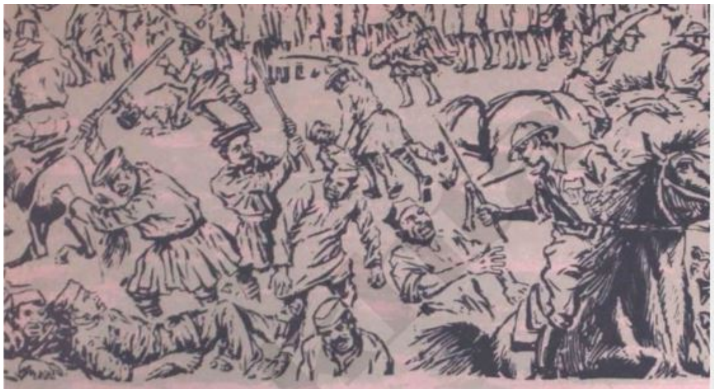

کو اختیار دیا جائے کہ وہ پارٹی کے نمائندے کی حیثیت سے بات چیت کر کے کوئی سمجھوتہ کر لیں۔

بعض لوگوں کو یہ بات بہت ناگوار تھی۔ چرچل نے کہا: "یہ بات کس قدر افسوس ناک اور ناقابلِ برداشت ہے کہ مسٹر گاندھی مڈل ٹیمپل کا وکیل، جو حکومتِ برطانیہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہے اب ایک ایسے فقیر کا ڈھونگ رچا کر جو عام طور پر مشرق میں دیکھے جاتے ہیں، لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وائسرائے کے محل میں جائے جب کہ وہ اب بھی سول نافرمانی کی باغیانہ مہم چلا رہا ہے، شہنشاہِ برطانیہ کے نمائندے سے برابری سے بات چیت کرے۔"

یہ بات چیت جو ۱۷ فروری کو شروع ہوئی تھی ایک معاہدے پر ختم ہوئی۔ اس معاہدہ پر جو "گاندھی ارون پیکٹ" کہلاتا ہے ۵ مارچ کو دستخط ہو گئے۔ بات چیت بڑی دوستانہ اور خوشگوار فضا میں ہوئی۔ مگر سرکاری افسروں کا رویہ مخالفانہ تھا اور بہت جلد اختلافات پیدا ہو گئے۔ شاستری، سپرو اور جیکار جو لبرل لیڈر تھے بیچ میں پڑے اور دونوں پارٹیوں سے درخواست کی کہ وہ سخت رویہ چھوڑ دیں اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ گاندھی جی نے سول نافرمانی کے بند کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اس معاہدے کی شرطیں یہ تھیں (۱) سول نافرمانی کی تحریک بند کر دی جائے۔ (۲) کانگریس ہونے والی گول میز کانفرنس میں حصہ لے جو اس مقصد سے کی جا رہی ہے کہ ہندوستان کے لئے ایک وفاقی اور ذمہ دار حکومت کے آئین کا مسودہ تیار کرے جس میں سب فرقوں کے حقوق کا اور دوسری ضروری باتوں کا لحاظ رکھا جائے۔ (۳) اس پر اصرار نہ کیا جائے کہ ملک کے مختلف حصوں میں پولس کی طرف سے جو زیادتیاں بتائی جاتی ہیں ان کی تحقیقات ہو۔

وائسرائے اس پر تیار ہو گئے کہ ان سب قیدیوں کو جو سول نافرمانی کے سلسلے میں گرفتار ہوئے ہیں ایک ساتھ رہا کر دیا جائے، سب ہنگامی آرڈی ننس واپس لے لئے جائیں۔ لوگوں کو اس کی اجازت ہو کہ بغیر محصول ادا کئے نمک بنائیں اور شراب، افیم اور بدیسی کپڑوں کی دکانوں پر پکٹنگ کریں۔ آخری مد کا یہ مقصد تھا کہ سودیشی کی تحریک کو بڑھاوا ملے۔

۲۷ اگست ۱۹۳۱ء کو گاندھی جی، پنڈت مالویہ اور مسز نائیڈو گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے سمندری جہاز پر لندن روانہ ہوئے۔ اس کانفرنس کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کے مستقبل کے لئے کوئی منصوبہ تیار کرے۔ ہندوستانی ریاستوں، مسلمانوں، سکھوں، عیسائیوں اور پارسیوں کے نمائندے بھی کانفرنس میں شرکت کے لیے گئے۔ جو لوگ گاندھی جی کے ساتھ گئے تھے ان میں، ان کے

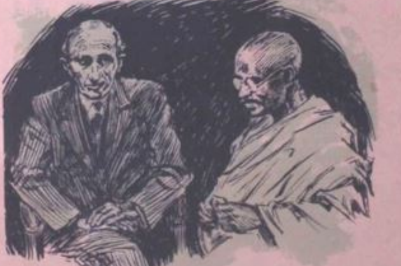

دونوں سکریٹری مہادیو دیسائی اور پیارے لال، ان کے بیٹے دیوداس اور میرا بہن بھی تھیں۔ ان کے پاس دوستوں خیر خواہوں کے بے گنتی پیام آئے جن میں کامیابی کے لئے دعائیں تھیں۔ اپنی عادت کے مطابق وہ جہاز پر بھی چرخا کاتتے، خط لکھتے اور کتابیں پڑھتے اور عرشے پر چہل قدمی کرتے تھے اور بچوں سے تو انھیں ہمیشہ سے پیار تھا۔ یہاں بھی یورپین بچوں سے خوب دوستی ہو گئی۔ جہاں جہاں جہاز رکتا لوگ کامیابی کی دعائیں دینے اور خوش آمدید کہنے آتے۔

لیکن کانفرنس میں بہت سے تھکا دینے والے ہفتوں کی بحث مباحثہ کے باوجود کچھ حاصل نہ ہوا۔ گاندھی جی غلامی کی جگہ مکمل آزادی چاہتے تھے۔ کانفرنس میں جو تجویزیں پیش ہوئیں ان میں سے کوئی بھی گاندھی جی کے لئے قابلِ قبول نہ تھی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں اس ساری کارروائی کا خلاصہ ان لفظوں میں بیان کر دیا:۔

"تم کہتے تو یہ ہو کہ میں اپنے گھر کا مالک و مختار ہوں لیکن سیف کی کنجی اپنے پاس رکھ لی ہے اور دروازے پر ایک سنتری کھڑا کر دیا ہے..."

کانفرنس میں ان لوگوں نے مل کر یہ طے کیا تھا کہ مجلسِ قانون ساز میں مختلف مذہبی فرقوں، زمین داروں اور کاروباری لوگوں کے لیے نشستیں محفوظ کر دی جائیں اور ممبروں کو صرف ان کے

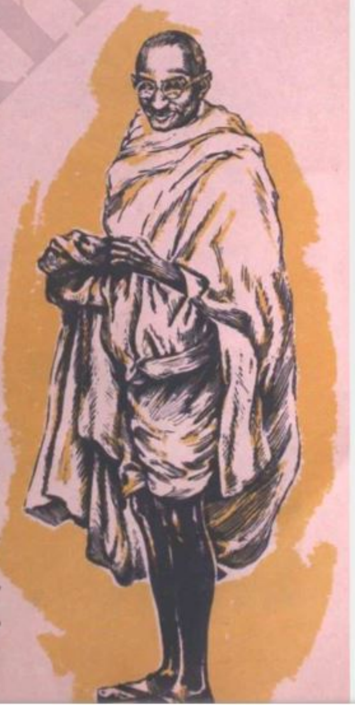

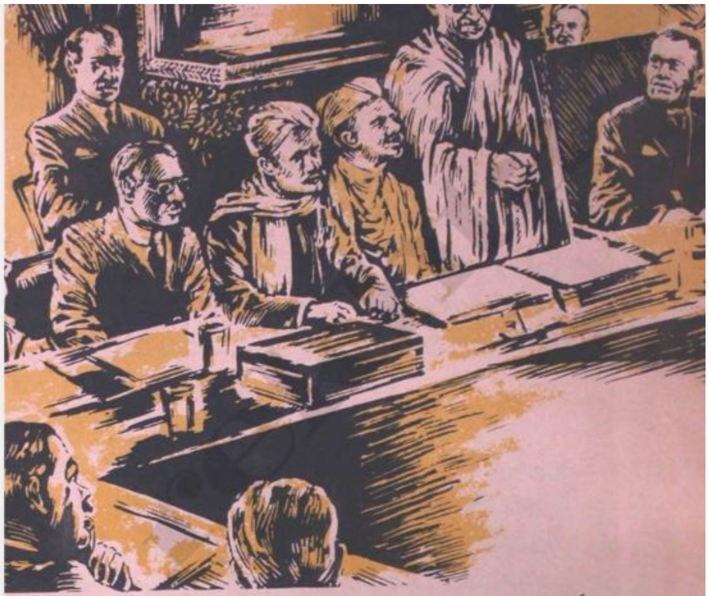

فرقوں کے لوگ ہی منتخب کریں۔

اس فیصلے سے بھلا کوئی قومی حکومت کیسے بنائی جا سکتی تھی؟ لیکن کانفرنس کے باہر گاندھی جی کو بڑی کامیابی ہوئی۔ وہ اپنے کو ایک غریب آدمی کہتے تھے اور غریبوں ہی کی طرح رہتے سہتے تھے۔ اسی لیے یہاں بھی انھوں نے غریبوں کی بستی کینگسلے ہال میں جو لندن کے ایسٹ اینڈ میں واقع ہے، قیام کیا۔ وہ مس میوریل لسٹر کے ہاں مہمان رہے وہاں سے راونڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کرنے انھیں سینٹ جیمز پیلیس جانا پڑتا تھا، جو ان کی قیام گاہ سے کافی دور تھا۔ لیکن انھوں نے یہ طے کیا کہ چاہے انھیں کچھ بھی زحمت اٹھانی پڑے مگر وہ رہیں گے لندن کے غریب لوگوں کے درمیان۔ سب سے زیادہ خوشی

گاندھی جی کو دو دن لنکاشائر میں رہ کر ہوئی۔

ہندوستان میں بدیسی کپڑے کے بائیکاٹ کی وجہ سے وہاں کپڑے کی ملوں کے بہت سے مزدور بے کار ہو گئے تھے۔ گاندھی جی نے ان کو اپنے ملک کے لوگوں کی غریبی اور مصیبت کا حال سنایا۔ گاندھی جی کی بات ان کی سمجھ میں آ گئی۔ اس طرح انھوں نے ان غریبوں کے دل جیت کر ان کو اپنا طرف دار بنا لیا۔

وہاں گاندھی جی نے بہت سے جلسوں میں تقریریں کیں اور بے گنتی انٹرویو دیئے۔ وہ انگلستان کے بادشاہ، لائیڈ جارج، چارلی چیپلن، برنارڈ شاہ اور سر سیمول ہور اور دوسرے بہت سے لوگوں سے ملے۔

لندن میں بھی انھوں نے اپنی صبح سویرے کی چہل قدمی نہیں چھوڑی۔ روز صبح سویرے شدید سردی کے باوجود، وہ بغیر موزوں کے چپل پہنے، ایک اونی چادر اوڑھے۔ بغیر کسی کوٹ کے، باہر ٹہلنے جاتے تھے۔ ان پر نکتہ چینی کرنے والے انھیں نیم برہنہ فقیر کہتے تھے، لیکن یہ وہ فقیر تھا جس کا خود انگلستان کے بادشاہ اور ملکہ نے خیر مقدم کیا تھا۔

اور سب سے زیادہ مسرت ہوئی انھیں بچوں سے مل کر۔ بچے بھی ان کی شفقت اور نرمی سے بہت متاثر ہوتے تھے اور محبت کرنے لگتے تھے۔ ان کی سالگرہ کے دن، بچوں نے بہت سے پیارے پیارے کھلونے، ہندوستان کے غریب بچوں کے لئے ان کو دیئے۔ انگلستان میں جتنے تحفے انھیں ملے تھے سب سے زیادہ قدر انھوں نے ان ننھے منّوں کے تحفوں کی کی اور جب وہ لندن سے واپس ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ صرف یہ کھلونے ہی لے کر آئے۔

انھوں نے وہاں سب لوگوں کا دل سے شکریہ ادا کیا اور کہا: "اس مہمان نوازی اور مہربانی کی یاد جو یہاں کے لوگوں نے میرے ساتھ کی ہے، میرے دل سے کبھی نہیں مٹے گی۔ چاہے میرے بدنصیب ملک پر کچھ ہی کیوں نہ بیتے...."

واپسی پر وہ اپنے پرانے دوست اور مشہور فرانسیسی ناول نگار رومان رولاں سے ملنے کے لیے ان کی قیام گاہ پر گئے۔ رولاں کو ہندوستان سے گہری محبت تھی اور وہ ہندوستانی تہذیب، ادب، فلسفہ وغیرہ کے بڑے دلدادہ تھے۔ خاص کر یہاں کے سادھو، سنتوں، مثلاً رام کرشن، پرماہنس اور سوامی وویکانند کے بہت مداح تھے۔ دونوں دوستوں نے بہت سے معاملات پر تبادلۂ خیالات کیا۔ اس میں ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ بھی تھا۔ یہاں گاندھی جی نے جو دن گزارے وہ بڑے پرمسرت تھے۔ رولاں نے جو گاندھی جی کی سوانح عمری لکھی ہے وہ بہت مشہور ہے۔

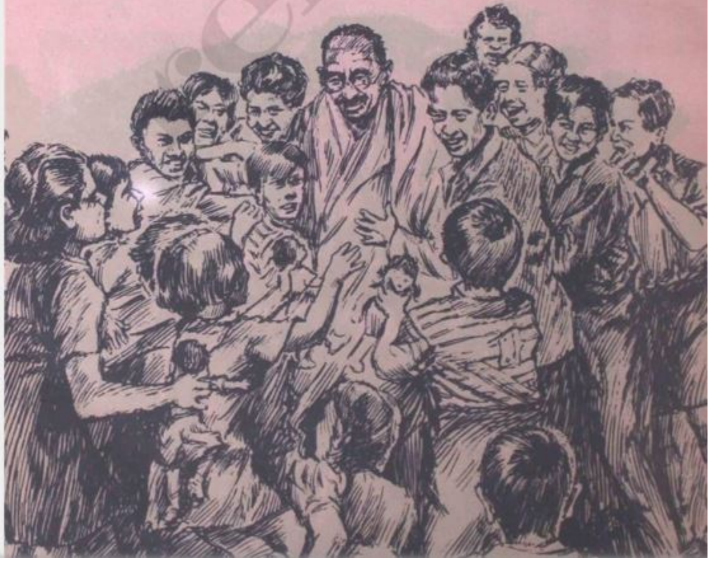

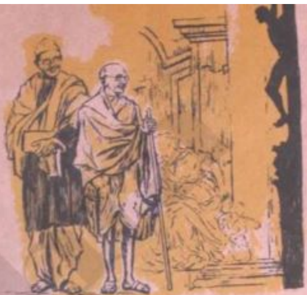

وطن واپس آتے ہوئے گاندھی جی روم کے مشہور گرجا سسٹائن چیپل میں گئے۔ جب وہ صلیب کے سامنے عقیدت سے سر جھکائے کھڑے تھے تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۱ء کو وہ بمبئی میں جہاز سے اترے۔ اسی دن شام کو آزاد میدان میں انھوں نے ایک جلسے کو خطاب کیا۔ یہاں ان سب جلسوں سے زیادہ مجمع تھا، جن میں آج تک انھوں نے تقریریں کی تھیں۔ لندن کی بات

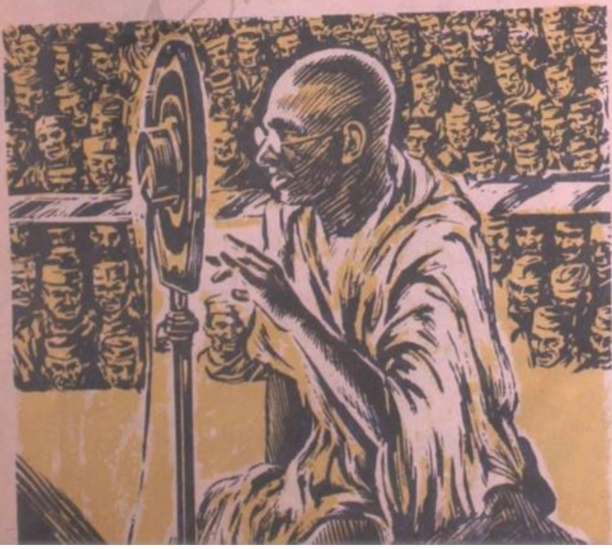

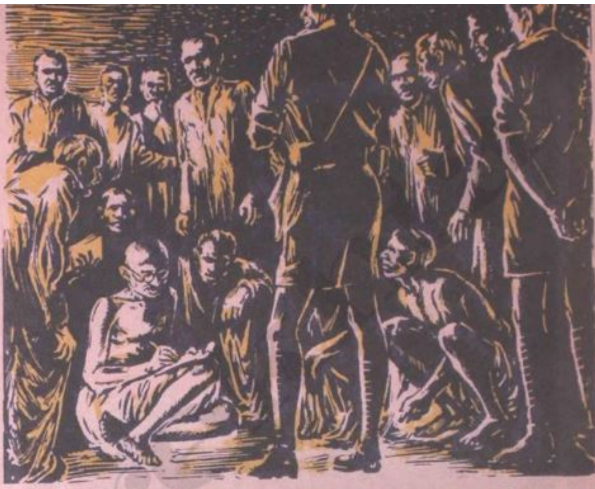

چیت کی اس میں تفصیل بتائی اور سمجھایا کہ وہ کیوں کامیاب نہیں ہوئی۔ انھوں نے کہا۔ "اب بھی مجھے امید ہے کہ حکومت سے تعاون کی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی۔ اور اب بھی میں اپنی طرف سے بھر کوشش کروں گا کہ کوئی راستہ نکل آئے۔"

لیکن وائسرائے لارڈ ولنگڈن کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے نئے آرڈی ننس جاری کئے۔ اور ہزاروں لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

کانگریس نے قوم کو ہدایت کی کہ وہ دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دے۔ ۴ جنوری سنہ ۳۲ء کو گاندھی جی کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ ان کی خاموشی کا دن تھا۔ انھوں نے لکھ کر لندن کے ساتھیوں اور دوستوں کو اس سلسلے میں آگاہ کیا اور بیانات بھیجے۔

جیسے جیسے تحریک نے زور پکڑا حکومت کی سختی بڑھی اور سارے ملک میں دہشت پسندی کا راج ہو گیا۔ کانگریس اور اس سے متعلق دوسری تنظیموں کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ اور ان کی جو بھی املاک وغیرہ تھی سب ضبط کر لی گئی۔

حکومت کانگریسیوں کو گرفتار کر لیتی اور ان کی املاک، عمارتیں چھاپے خانے وغیرہ سب ضبط کر لیتی تھی۔ جلسے جلوسوں پر پابندی لگا دی گئی تھی۔

بقول مسٹر چرچل کے اتنے زیادہ سخت قدم اٹھانے کی غدر کے بعد سے آج تک ضرورت نہیں پڑی تھی۔ سول نافرمانی کی تحریک ان سب سختیوں کے باوجود جاری رہی۔ گجرات، اور یوپی میں ٹیکس بالکل ادا نہیں کئے گئے۔ جنگلوں میں درخت وغیرہ کاٹنے کے،

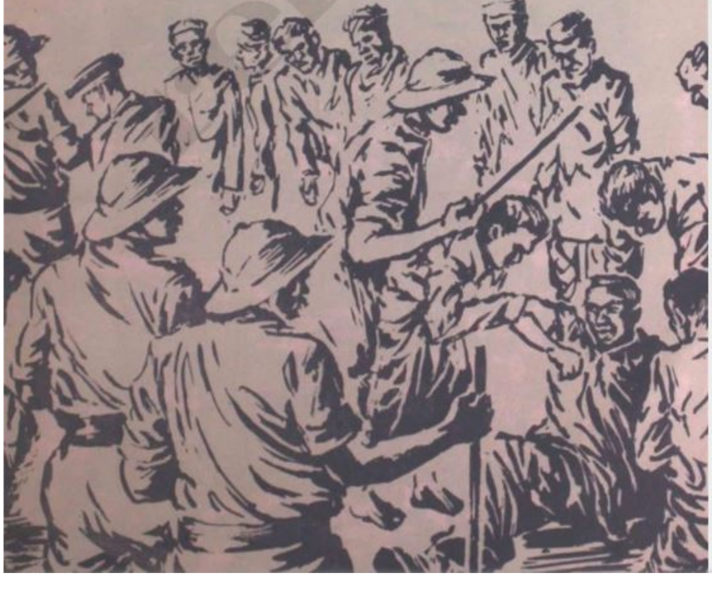

اور نمک پر حکومت کا قبضہ ہونے کے قانونوں کو توڑا گیا۔ اور بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ جاری رہا۔ غیر قانونی جلسوں اور جلوسوں پر لاٹھی چارج ہوتے۔ اسپیشل پولس مقرر کی گئی جو ایسے علاقوں میں جہاں سول نافرمانی ہوتی ہے گشت کرے۔ لوگوں پر بھاری جرمانے لگائے گئے۔ صرف جنوری ہی میں پندرہ ہزار آدمی گرفتار کیے گئے۔ سال کے آخر تک تقریباً سرسٹھ ہزار لوگوں کو سزا دی گئی۔

جواہر لال نہرو تو پہلے ہی سے جیل میں تھے کستوربا بھی گرفتار کر کے وہاں پہنچا دی گئیں۔

پہلے کی طرح اس بار بھی گاندھی جی نے جیل کا زمانہ مفید کاموں میں بسر کیا اب ان کی پوری توجہ "اچھوتوں" کی طرف تھی۔ یعنی بھنگیوں، خاک روبوں اور چمار وغیرہ کے مسئلے کی طرف جو مصیبتیں جھیلتے اور بدسلوکی کا شکار رہتے تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ دوسرے ہندو ان کو ذلیل سمجھتے تھے۔

گاندھی جی نے انھیں "ہری جن" یعنی

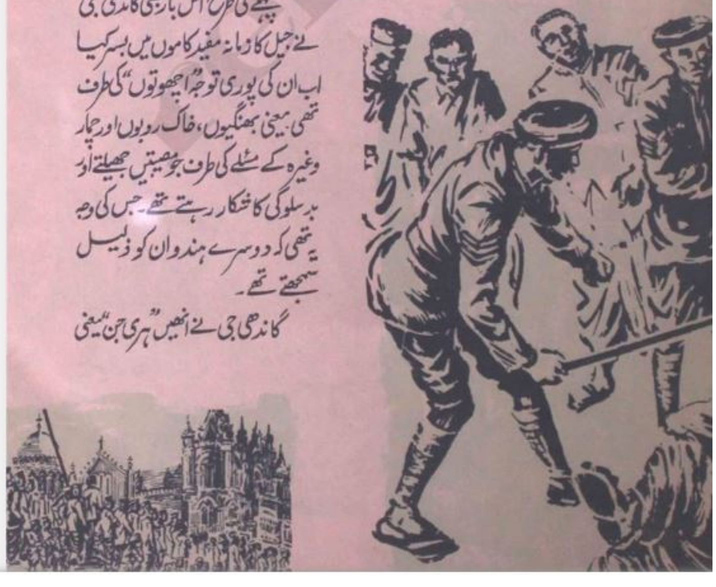

خدا کے پیارے بندے کا نام دیا۔ (بعد میں انھوں نے اپنے ہفتہ وار اخبار کا نام بھی "ہری جن" رکھا) انھوں نے کہا: "جو لوگ سب سے زیادہ حقیر سمجھے جاتے ہیں دراصل وہی خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔"

انھیں سب سے زیادہ پریشانی یہ تھی کہ حکومت اچھوتوں کو عام ہندوؤں سے الگ کرنا چاہتی تھی۔ اور ان کو ایک الگ مذہبی گروپ قرار دے کر اسمبلی میں ان کو نمائندگی دینا چاہتی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہمیشہ ہندو قوم سے الگ رہیں گے اور انھیں سوسائٹی میں کبھی شامل نہ کیا جائے گا۔

لائبریری

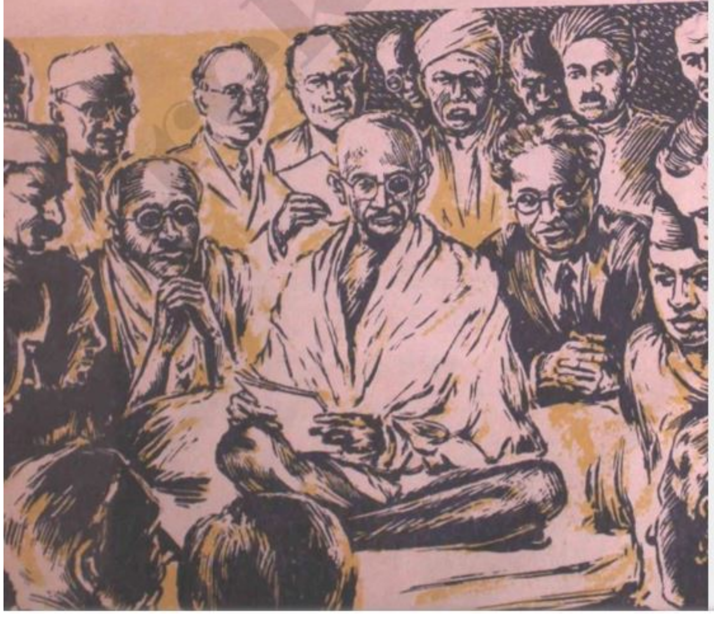

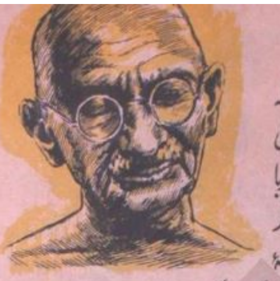

گاندھی جی نے سر سیمول ہور کو لکھا کہ یہ بات کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے مگر ان کی بات کی طرف انھوں نے ذرا بھی دھیان نہیں دیا اور حکومت نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس پر گاندھی جی نے احتجاج کے طور پر ۲۰ ستمبر ۳۲ء کو مرن برت شروع کر دیا۔ حکومت نے کستور با کو ان کے پاس یرودا جیل میں منتقل کر دیا۔

تیسرے دن ان کی حالت بہت نازک ہو گئی۔ سب فرقوں کے لیڈر، جن میں ہری جن لیڈر ڈاکٹر امبیدکر بھی تھے مل کر بیٹھے، اس مسئلے پر غور کیا اور ایک سمجھوتا ہو گیا۔ گاندھی جی نے اس کو منظور کر لیا اور مشہور یرودا پیکٹ پر سب کے دستخط ہو گئے۔ حکومت کو بھی ان شرطوں کو ماننا پڑا اور گاندھی جی نے برت توڑ دیا ایک کانفرنس ہوئی جس میں رزولیشن پاس کیا گیا "آج سے ہندوؤں میں کسی کو بھی اس بنا پر اچھوت نہیں سمجھا جائے گا کہ وہ کسی خاص طبقے میں پیدا ہوا ہے۔"

گاندھی جی نے انگلستان میں یہ دعویٰ کیا تھا کہ سب ہندو ایک ہیں اب اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے وہ اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو بتایا "کہ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ایک الگ طبقہ اچھوت کے نام سے قرار دیا جائے۔ سکھ ہمیشہ سکھ مسلمان ہمیشہ مسلمان یورپین ہمیشہ یورپین رہ سکتے ہیں مگر کیا اچھوت ہمیشہ اچھوت رہیں گے؟ میں چھوت چھات کے ہمیشہ باقی رہنے پر اس کو ترجیح دوں گا کہ ہندو دھرم مٹ جائے۔"

لیکن یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ انھوں نے یہ مہم اس لئے شروع کی تھی کہ ہر لحاظ سے اچھوتوں کو برابری کا درجہ ملے۔ لیکن انھوں نے دیکھا کہ اس معاملے میں خود ان کے پیروؤں میں بھی ایسے لوگ تھے جو ان کی تائید نہیں کر رہے تھے۔

اس سلسلے میں انھوں نے اپنے ہفتہ وار اخبار "ہری جن" میں روزانہ مضمون لکھے ہری جن سیوک سنگھ قائم کی۔ جس نے بعد میں بہت مفید خدمتیں انجام دیں۔

کچھ عرصے سے وہ یہ محسوس کر رہے تھے اور انھیں اس کا بہت دکھ تھا، کہ لوگ ہریجنوں کے مسئلے کی طرف سے بے حس اور لاپروا ہیں۔ ۷ مئی ۳۳ء کو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ آدھی رات کو ایک دم ان کی آنکھ کھل گئی اور ان کو ایسا محسوس ہوا کہ ان کے اندر سے کوئی آواز اٹھ رہی ہے جو کہتی ہے کہ وہ ۲۱ دن کا برت رکھیں اور کل ہی سے رکھیں۔ اس کے بعد گاندھی جی چپ چاپ سو گئے۔ اگلی صبح انھوں نے برت کا اعلان کیا ان کو کسی طرح بھی اپنا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

حکومت کو اندیشہ تھا کہ کہیں جیل میں گاندھی جی کی موت ہو گئی تو اسے جواب دہ ہونا پڑے گا۔ اس لئے اگلے ہی دن اس نے گاندھی جی کو رہا کر دیا۔

یہ برت ان کے لئے اکیس دن کی مسلسل عبادت تھا ۔ اس برت سے انھیں مدد ملی کہ ذات پات کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہندوؤں کو شرم دلائیں اور مذہب کی طرف سے ہریجنوں کے مسئلے میں جو رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی اس کا توڑ کریں۔

آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ گاندھی جی ہریجنوں کی مہم برابر چلاتے رہے ان کے نزدیک آزادی کے معنی تھے اوہام سے نجات، جہالت سے نجات اور بدیسی حکومت کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا۔

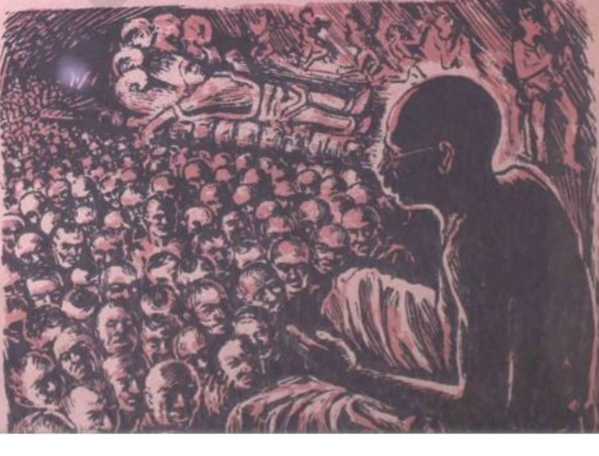

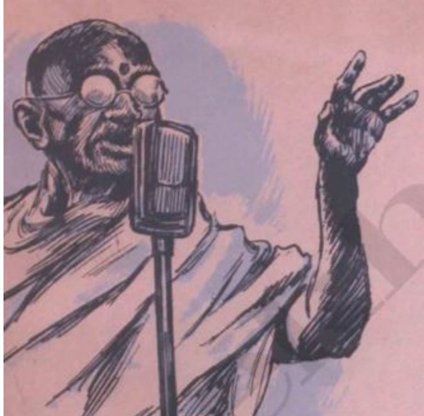

گاندھی جی ہندوستانی عوام کے مانے ہوئے رہبر تھے ایسے جو لوگوں کے ذہنوں پر چھا گئے تھے کبھی ہندوستان میں ایسا شخص نہ ہوا تھا جسے خدا نے اتنی بہت سی صلاحیتیں ایک ساتھ عطا کی ہوں۔ لاکھوں ان پڑھ لوگ آسانی سے ان کی بات سمجھ جاتے اور دل سے ان کی پیروی کرتے تھے۔ گاندھی جی عام قسم کے سیاسی آدمی نہ تھے۔ عوام سے خطاب کرتے ہوئے وہ نہ خطابت کے جوہر دکھاتے نہ ڈرامائی انداز اختیار کرتے تھے۔

وہ سننے والوں سے سیدھی سادی باتیں نرم لب و لہجے میں کرتے اور ایسی دلیلیں دیتے جو سیدھی دل میں اترتی چلی جاتی تھیں۔ اکثر صرف ان کے خلوص اور موقع کے مطابق بات کہنے سے لوگ بہت متاثر ہو جاتے۔ انھوں نے بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ لوگوں میں ایسی بیداری پیدا کر دی تھی کہ خود انگریز حیرت میں رہ گئے۔

وہ بہت اچھی انگریزی جانتے تھے اور بڑی بے تکلفی سے لکھتے اور بولتے تھے۔ اتنی

rekhta

سادہ اور دل میں اترنے والی کہ بات ہر کسی کی سمجھ میں آجاتی۔ ماہرینِ زبان یہ سمجھتے ہیں کہ گاندھی جی کو انگریزی زبان پر پوری قدرت تھی۔ ان کے بات کہنے کے دوٹوک انداز کو، جس میں ذرا بھی تصنع نہ تھا، اکثر بائبل کی زبان سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

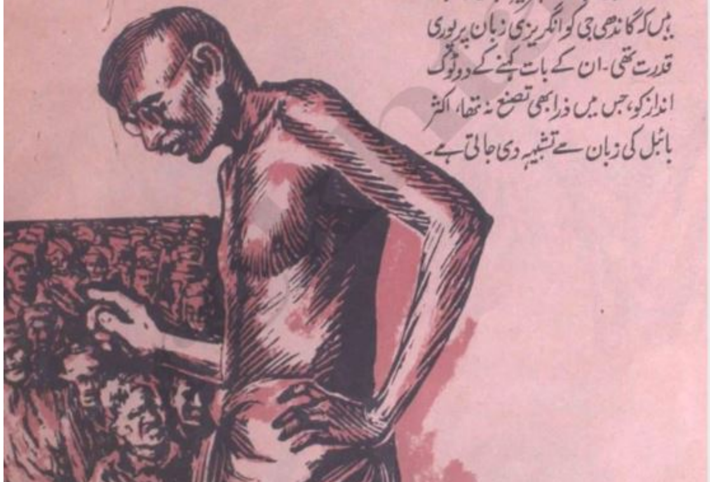

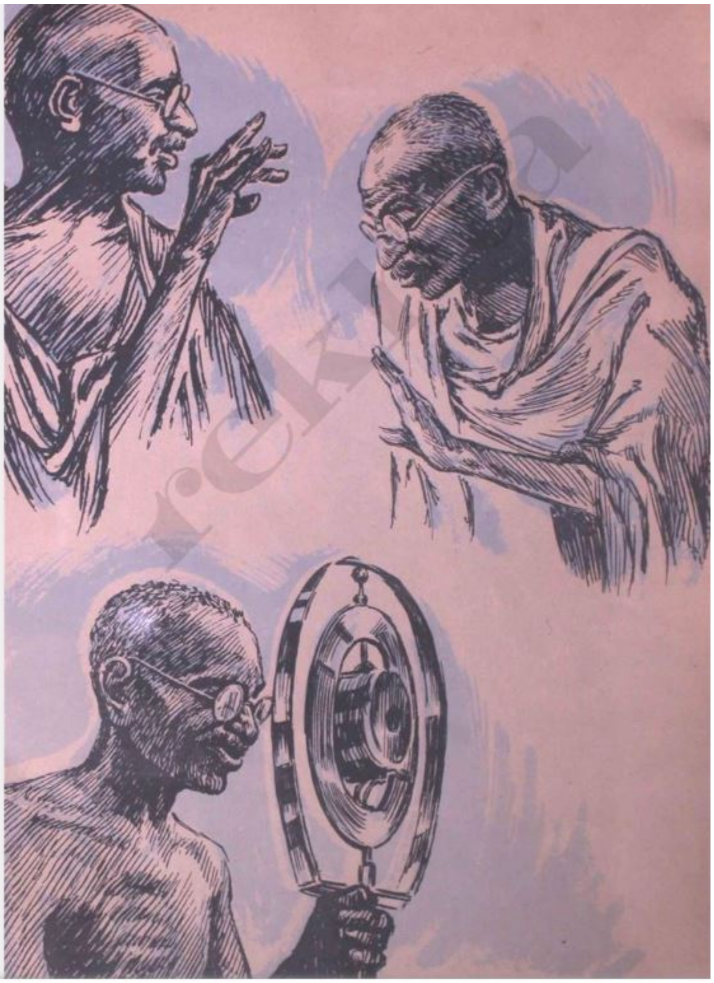

گاندھی جی نے جو برت رکھے وہ یا تو کفارے کے طور پر رکھے یا پھر اپنے عقیدوں کو جانچنے کے لئے اور ان لوگوں کو شرم دلانے کے لیے جو سچائی کو قبول نہیں کرتے تھے ۔

باوجود کئی برت رکھنے کے، انھیں یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی تک لوگوں کے دل نہیں بدلے ہیں اور انھیں بدلنا ہے۔ جیسے ہی یرودا آشرم میں ان میں ذرا طاقت آئی انھوں نے ، نومبر ۱۹۳۳ء کو سارے ملک کا دورہ شروع کر دیا۔

وہ جہاں بھی جاتے بڑے بڑے مجمعوں کے سامنے جس کو اکثر گھنٹوں ان کا انتظار کرنا پڑتا تھا، پر اثر تقریریں کرتے تھے۔ دس مہینے کے اندر اندر انھوں نے ہندوستان کے سارے بڑے بڑے شہروں اور بے گنتی گاؤوں کا دورہ کیا۔ ان کے اس عظیم مقصد کے لیے لوگ انھیں دل کھول کر چندہ دیتے تھے۔ اس طرح آٹھ لاکھ روپیہ جمع ہو گیا جو زیادہ تر غریب لوگوں نے پیسہ پیسہ جوڑ کر دیا تھا۔ اکثر عورتیں اپنے بدن کے زیور تک اتار کر پیش کر دیتی تھیں۔

گیت گائے جاتے کہ ہری جن ہمارے بھائی ہیں۔ قدامت پرست ہندو اور ہری جن ساتھ ساتھ بیٹھ کر دعوتیں کھاتے، تعلیمی اداروں نے ہریجنوں کے لیے مفت تعلیم کا وعدہ کیا اور اسکولوں اور مندروں کے دروازے (جو اب تک ان پر بند تھے) ہریجنوں کے لئے کھول دیئے گئے۔

گاندھی جی نے یہ بھی محسوس کیا کہ ہریجنوں کو صفائی کی عادت ڈالنی چاہیے۔ تبھی دوسرے ہندو انھیں اپنے

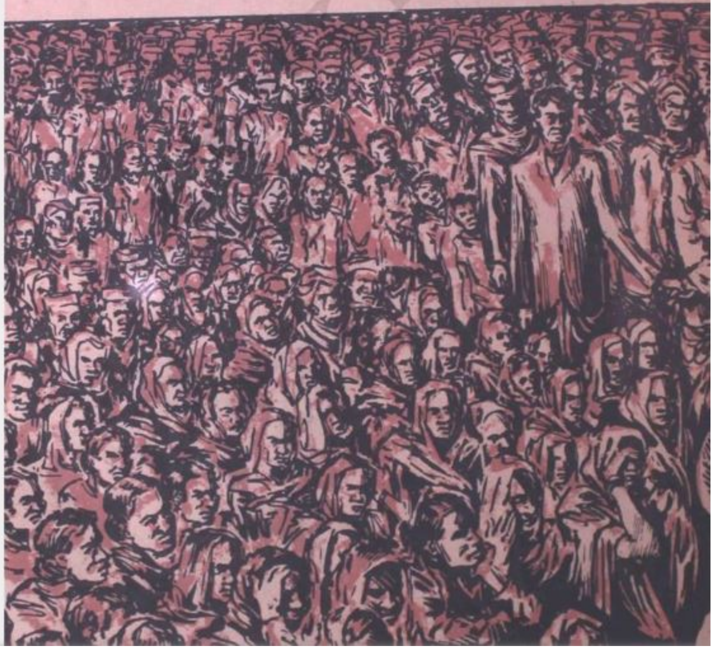

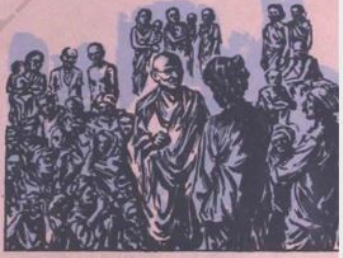

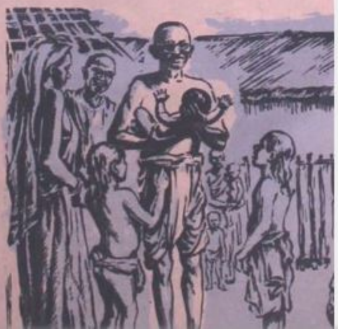

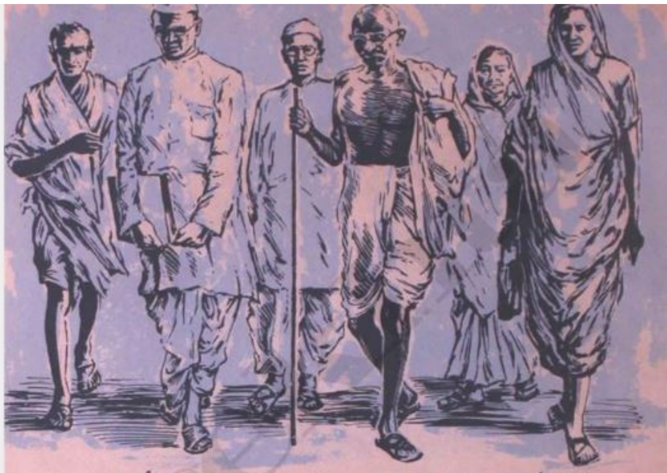

میں شامل کرسکیں گے۔ بڑے صبر کے ساتھ انھوں نے ان کو صاف ستھری زندگی بسر کرنے کے گر سکھائے اگر ایک دن وہ اپنے ہاتھ سے سنڈاس صاف کرتے تھے تو دوسرے دن مندر، ہریجنوں کے لئے کھلواتے تھے۔ ان کو بہت سی شکلوں سے نبٹنا، بہت سی تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خود ہریجن لیڈر ان پر شک کرتے تھے مگر گاندھی جی نے کسی بات کی پروا نہیں کی اور اپنی مہم جاری رکھی۔ اس طرح سارے ملک میں سوچنے کا ایک نیا انداز پیدا ہوگیا۔

جنوری ۱۹۳۴ء میں بہار میں ایک خوفناک زلزلہ آیا جس میں ہزاروں آدمی مر گئے۔ امداد اور بحالی کے کام کی سخت ضرورت تھی، خاص کر گاؤں میں جب گاندھی جی نے یہ تباہی دیکھی تو انھیں محسوس ہوا کہ ملک اسی وقت بدل سکتا ہے جب گاؤں کی حالت بدلے اور ان کو اصلاح اور ترقی کا مرکز بنایا جائے۔

اکتوبر میں انھوں نے کانگریس سے استعفیٰ دے دیا اور دل و جان سے گاؤں سدھار کے کام میں لگ گئے۔ اب واردھا کا نیا آشرم ان کا صدر مقام تھا۔ ونوبھا وے مہادیو دیسائی، میرا بین اور کستوربا کے ساتھ انھوں نے دیہاتی صنعتوں کو زندہ کرنے،

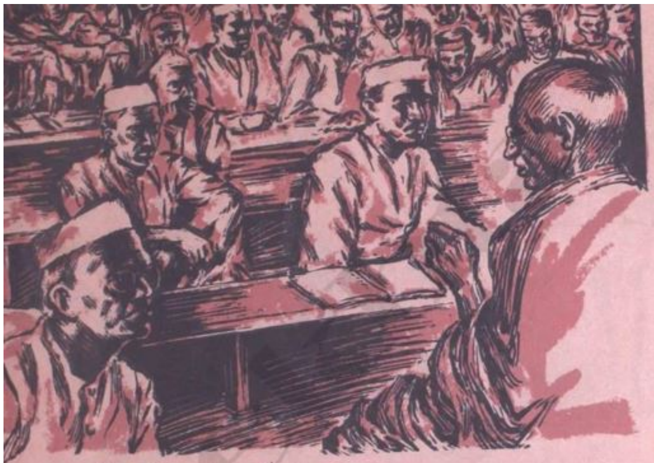

سڑکوں کی صفائی اور میلے کے لئے گڑھے کھودنے کی مہم چلائی۔

ان کے اصرار پر دسمبر ۱۹۳۶ء میں کانگریس کا سشن فیض پور گاؤں میں ہوا۔ جواہر لال نہرو اس کے صدر چنے گئے۔ ان سب باتوں کا اثر پڑا اور گاؤں کی ترقی اور سدھار کا راستہ ہموار ہوا۔ ۱۹۳۷ء میں الکشن میں کانگریس کو بڑی شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ سات صوبوں میں اس کی اکثریت تھی اور بعد میں دو اور صوبوں میں دوسروں سے مل کر اس نے حکومت بنالی اس طرح گیارہ میں سے نو صوبے اس کے پاس آگئے۔

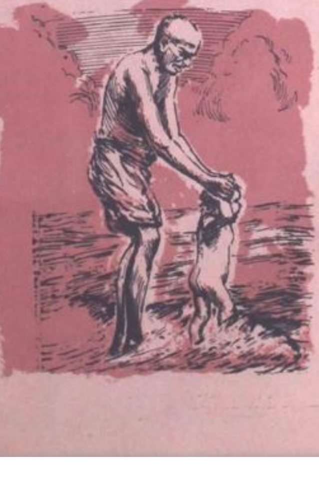

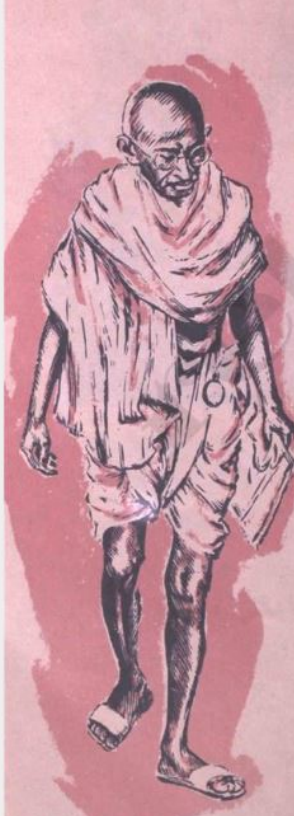

گاندھی جی نے ہر میدان میں اصلاحات کیں۔ انھوں نے تجویز رکھی کہ اسکولوں میں ہاتھ کے کام کو تعلیم کا ذریعہ بنانا بہت ضروری ہے۔ اسی کے لئے واردھا میں آل انڈیا ایجوکیشن کانفرنس کی گئی جس نے ان کے خیالات کو اپنا لیا۔ مسلسل محنت کی وجہ سے پھر ان کی صحت گر گئی۔ ان کو آرام کے لئے بمبئی میں جوہو کے کنارے جا کر رہنا پڑا۔ جوہو بیچ پر بچوں کے ساتھ کھیلنا ان کا محبوب شغل تھا۔

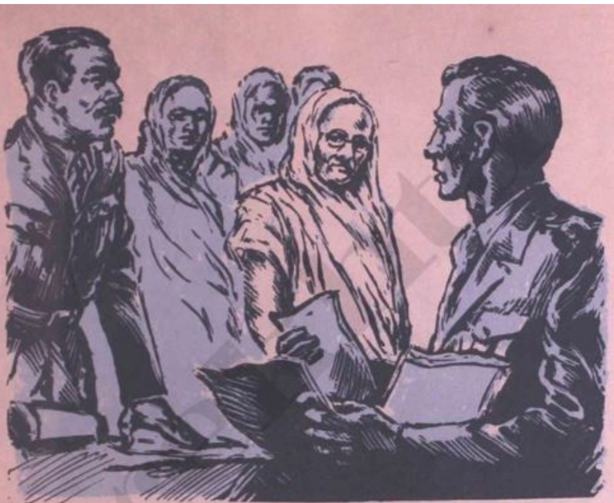

قبائلیوں نے، جن کو اپنی بہادری پر بڑا ناز تھا خان عبدالغفار خاں کی رہنمائی میں (جن کو سرحدی گاندھی کہا جاتا ہے) اہنسا کو پوری طرح اپنا لیا تھا اور ایک امن کی فوج بنائی تھی جو سرخ پوش کہلاتے تھے۔ گاندھی جی کو بادشاہ خاں سے بڑی محبت تھی اور وہ سرخ پوشوں کی خدمت اور اہنسا کو اپنانے سے بہت متاثر تھے۔ اگرچہ کانگریس اب بھی گاندھی جی سے صلاح مشورہ لیتی تھی۔ لیکن اس کی لیڈرشپ اب دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تھی اس لئے کہ گاندھی جی اب دوسرے معاملوں کی طرف زیادہ متوجہ تھے۔ دیسی ریاستوں کے لوگ بھی اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ سب سے زیادہ ہنگامے راجکوٹ میں ہوئے جہاں کے ٹھاکروں کو جنتا کے کچلنے کے لئے دوسری ریاستوں کے لوگ بھی مدد دے رہے تھے۔ کچھ عرصے پہلے سردار ولبھ بھائی پٹیل اور ٹھاکروں کے درمیان اس سلسلے میں ایک معاہدہ ہوا تھا مگر ٹھاکروں نے اس کی کوئی پروا اور پابندی نہیں کی۔ سول نافرمانی کی تحریک کو ظلم اور ستم کے ساتھ کچلا جا رہا تھا۔ باہر والوں کو ریاست کے اندر آنے کی ممانعت تھی۔ اس زمانے میں گاندھی جی کی طبیعت

خراب تھی۔ کستوربا راجکوٹ کی رہنے والی تھیں اور وہ اس مہم میں اپنے ہموطنوں کے ساتھ جاکر شریک ہونے پر اصرار کر رہی تھیں۔ ان کو روکنے کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔ ۳ فروری ۱۹۳۹ء کو وہ راج کوٹ میں داخل ہوئیں اور فوراً گرفتار کر لی گئیں۔ یہ خبر سننے کے بعد کئی جگہ پولس اور عوام میں ٹکر ہوئی اور بہت سے لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ گاندھی جی نے اپنی بیماری کو سب سے چھپایا اور راج کوٹ روانہ ہو گئے۔ انھوں نے بہت کوشش کی کہ کوئی سمجھوتہ ہو جائے مگر ٹھاکر اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ ۳ مارچ کو انھوں نے فیصلہ کیا کہ وہ مرن برت رکھیں گے۔ ان کے دوستوں، ساتھیوں اور عقیدتمندوں کو سخت پریشانی تھی کہ اب کیا ہوگا۔ ۵ مارچ کو کستوربا کو انھیں دیکھنے کے لئے لایا گیا۔ گاندھی جی نے پوچھا کیا ان کے ساتھ کی عورتوں کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان کو رہا نہیں کیا گیا تھا۔ گاندھی جی نے کستوربا کو واپس بھیج دیا اور کہا کہ وہ ہرگز کوئی رعایت قبول نہ کریں۔

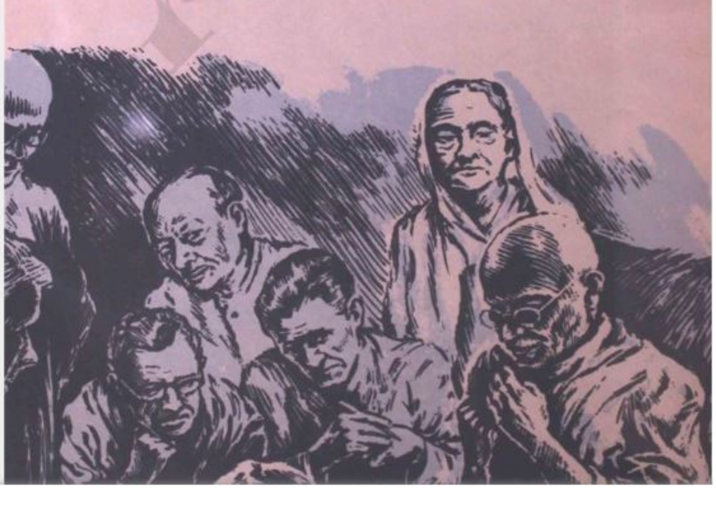

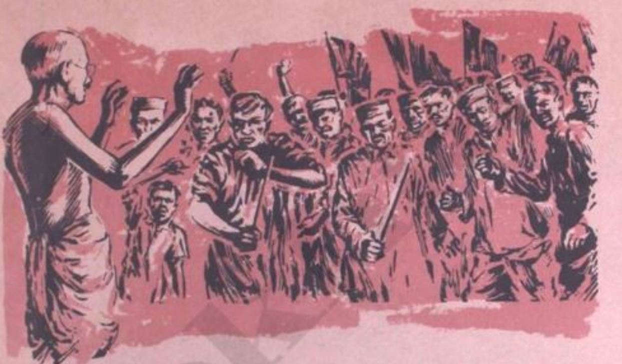

ان کی حالت بہت نازک ہو گئی تھی۔ ایک گھونٹ پانی تک نہ پی سکتے تھے۔ وائسرائے نے سر موریس گائر سے جو اس وقت چیف جسٹس تھے کہا کہ وہ ثالث بن کر کوئی سمجھوتہ کرا دیں اس پر ٹھاکروں کو راضی ہونا پڑا اور گاندھی جی نے برت توڑ دیا۔

سر موریس گائر نے دیکھا کہ ٹھاکروں نے جو سمجھوتہ پہلے کیا تھا اس کی ذرا بھی پابندی نہیں کی گئی۔ چنانچہ ایک نیا معاہدہ کیا گیا اور اس پر دستخط لئے گئے۔

مگر حکمراں ٹھاکر نے معاہدہ کی شرطوں کی اب بھی پابندی نہیں کی بلکہ اس نے گاندھی جی کے خلاف ایک ایجی ٹیشن شروع کرا دیا۔ ایک پرارتھنا سبھا میں کئی سو آدمی جو دنگا فساد کرانے کے لئے بھیجے گئے تھے انھوں نے سیاہ جھنڈیاں ہلائیں، ہڑبونگ مچا دی اور گاندھی جی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ گاندھی جی نے اپنے دوستوں کی یہ بات نہیں مانی کہ وہ ان کو اپنے حلقے میں لے کر حفاظت کریں "میں یہیں بیٹھوں گا یا اکیلا ان کے پاس چلا جاؤں گا۔"

جیسے ہی وہ کھڑے ہوئے اچانک ان کی پیٹھ میں سخت درد اٹھا، انھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا سے دعا کی کہ وہ ان کو برداشت کی طاقت دے ذرا دیر میں ان میں قوت آ گئی

انھوں نے انکھیں کھول دیں اور اپنے دوستوں سے کہا کہ وہ ان کو مجمع کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جائیں ۔ ۔ ۔ انھوں نے بلوائیوں کے لیڈر سے کہا کہ لو میں حاضر ہوں جو چاہے کرو۔ گاندھی جی کی یہ ایمانی قوت دیکھ کر تشدد کا جذبہ برف کی طرح پگھل گیا۔ لیڈر نے گاندھی جی سے اجازت چاہی کہ وہ انھیں سہارا دے کر ان کو گھر تک پہنچا دے۔ اس شام وہ اس شخص کے کندھے پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ گھر کی طرف چلے آ رہے تھے جو ان کو مارنے کے لیے آیا تھا۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم شروع ہو گئی۔ وائسرائے نے قوم کے لیڈروں سے پوچھے بغیر ہی ہندوستان کے جنگ میں شامل ہونے کا وعدہ کر دیا۔ کانگریس نے کہا جرمنی قصوروار اور قابلِ ملامت ضرور ہے لیکن جنگ میں شرکت کا فیصلہ ہندوستانی عوام کے مشورے سے ہونا چاہیے تھا۔

یہ بات صاف طور پر کہی گئی کہ آزاد ہندوستان ہی اپنی قسمت کا فیصلہ کر سکتا ہے اگر برطانیہ

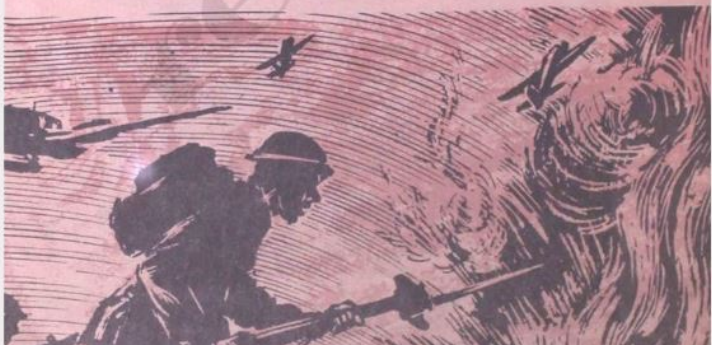

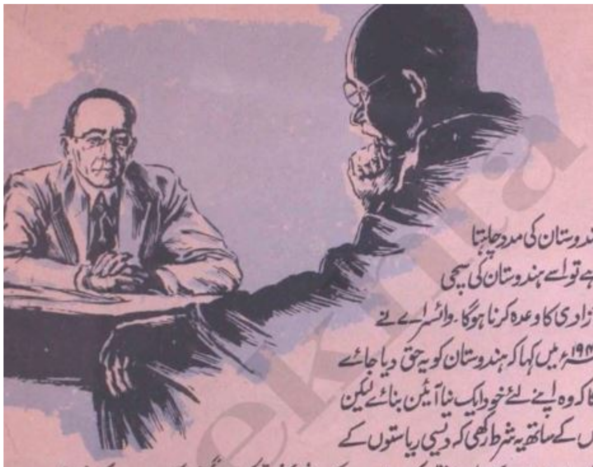

ہندوستان کی مدد چاہتا ہے تو اسے ہندوستان کی سچی آزادی کا وعدہ کرنا ہوگا۔ وائسرائے نے ۱۹۴۰ء میں کہا کہ ہندوستان کو یہ حق دیا جائے گا کہ وہ اپنے لئے خود ایک نیا آئین بنائے لیکن اس کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ دیسی ریاستوں کے حکمراں اور مسلمان بھی اسے منظور کریں ظاہر ہے کہ یہ پیش کش ٹھکرا دی گئی۔ اکتوبر میں ستیہ گرہ شروع کر دی۔ سب چوٹی کے لیڈروں کے گرفتار ہونے کے بعد لوگ بہت کثرت سے اس کی تحریک میں شامل ہونے لگے۔ سب گاندھی جی کا یہ قول دہراتے رہتے تھے: "انگریزوں کی جنگی کوششوں میں آدمی یا روپے سے مدد کرنا غلط ہے اس کی اصلی مدد یہ ہو سکتی ہے کہ جنگ کا مقابلہ اہنسا کے ذریعہ کیا جائے۔" چند مہینوں کے اندر اندر بیس ہزار آدمیوں کو سزا دے کر جیل بھیج دیا گیا۔ ایک وقت میں چودہ ہزار آدمی تک جیل میں ٹھونس دیے گئے۔

جب جاپان کے حملہ کا خطرہ سر پر آ گیا تو انگریزوں نے سوچا کہ کچھ نہ کچھ سمجھوتہ ہونا ہی چاہیے۔ مارچ ۱۹۴۲ء میں سر اسٹیفرڈ کرپس کو، جو برطانیہ کی حکومت کے وزیر تھے ایک نئی تجویز کے ساتھ ہندوستان کے لیڈروں کے پاس بھیجا گیا لیکن یہ مشن ناکام ہوا۔

گاندھی جی نے کہا: "میں نے اس تجویز کے متعلق جو وہ حکومتِ برطانیہ کی طرف سے لا رہے تھے افواہیں سنی تھیں لیکن اس کا مسودہ نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ انھوں نے مجھے دیا تو ایک نظر ڈالتے ہی میں نے کہا۔ اگر یہی تجویز تھی تو آپ کو ہندوستان آنے کی ضرورت ہی کیا

تھی، میرا یہ مشورہ ہے کہ آپ پہلے ہوائی جہاز سے اپنے وطن واپس چلے جائیں۔ کرپس نے جواب دیا۔ جی ہاں میں اس پر غور کروں گا۔"

دوسرے لیڈروں کو بھی اس سے بہت مایوسی ہوئی۔ اس نئی تجویز میں ہندوستان کے ہر صوبے اور ہر ریاست کو یہ اختیار دیا گیا تھا وہ چاہے تو نئے آئین کو نہ مانے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان میں ہمیشہ پھوٹ رہے اس کے علاوہ ہندوستانیوں کو حکومت کا پورا اختیار بھی نہیں دیا گیا تھا۔

یہی موقع تھا جب گاندھی جی کو "ہندوستان چھوڑ دو" کی بات سوجھی بعد میں انھوں نے بتایا کہ یہ کرپس مشن کی ناکامی تھی جس نے یہ خیال میرے دل میں پیدا کیا وہ مشکل سے باہر نکلے ہوں گے کہ یہ الہامی خیال میرے دل میں جاگ اٹھا۔ پہلا احساس جو میرے دل میں پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ہمیں کرپس کی تجویز کا بھرپور جواب دینا چاہیئے۔"

۱۴ جولائی ۴۲ء کو واردھا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی اور اس میں "ہندوستان چھوڑ دو" رزولیوشن پاس ہو گیا۔ اسے خود گاندھی جی نے مرتب کیا تھا۔ اس رزولیوشن میں مطالبہ کیا گیا کہ ہندوستان میں انگریز حکومت کا فوراً خاتمہ ہونا چاہیئے اگر یہ نہ ہوا تو کانگریس "وہ ساری اہنسا کی قوت جو اس نے ۱۹۲۰ء سے اب تک جمع کی ہے" اس کے خلاف استعمال کرے گی تاکہ وہ اپنا یہ حق ثابت کر سکے کہ اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنا خود اس کا کام ہے۔

۸ اگست کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا اجلاس گوالیا ٹینک میدان میں ہوا اور اس نے "ہندوستان چھوڑ دو" رزولیوشن کی پوری

تائید کی اس نے ملک سے کہا کہ وہ ایک عوامی جدوجہد بہت بڑے پیمانے پر شروع کرے۔ جس میں اہنسا کے طریقوں سے کام لیا جائے۔ جدوجہد گاندھی جی کی رہنمائی میں کی جائیگی۔

گاندھی جی نے میٹنگ میں فرمایا: "اس جدوجہد میں، میں نے آپ کی رہنمائی کا کام اپنے ذمہ لیا ہے۔ مگر میں آپ کا نہ سپہ سالار ہوں نہ نگراں بلکہ آپ سب کا ایک ادنیٰ خادم ہوں۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ جو سب سے زیادہ خدمت کرتا ہے وہی سردار ہوتا ہے۔"

یہ ایک بڑا اہم موقع تھا جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ اس مشہور

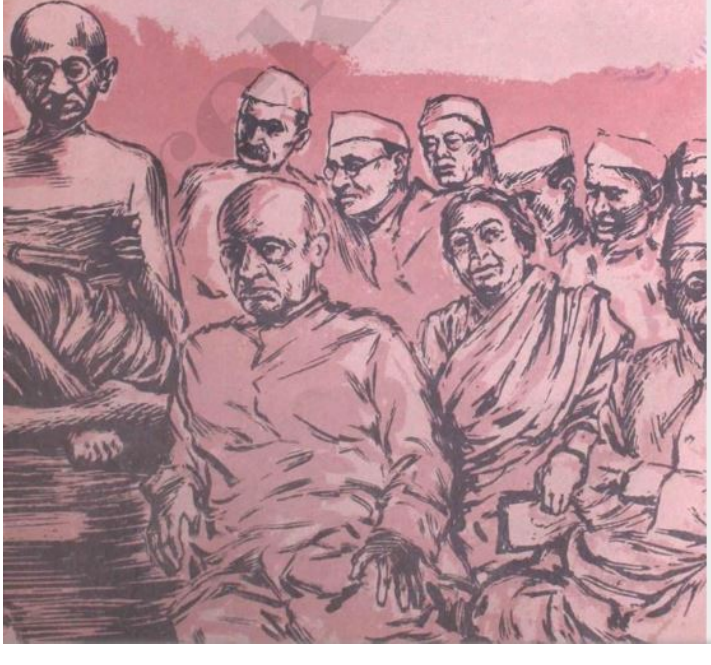

جلسے میں ملک کے سارے بڑے لیڈر موجود تھے۔ کچھ ایسے ضرور تھے جنھوں نے پہلے ہی استعفا دے دیا تھا۔ اب ساری کانگریس لڑنے اور آزادی حاصل کرنے کے لئے دل و جان سے تیار تھی۔

پنڈال کے باہر بہت بڑا مجمع اکٹھا ہوگیا تھا۔ اگرچہ ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ پھر بھی ساری قوم نے بڑی بڑی امیدیں باندھ رکھی تھیں۔

مجمع اپنے لیڈروں کے جے کارے پکار رہا تھا اور اس کے لئے تیار تھا کہ جو حکم ملے اسے بجالائے۔ لیکن گاندھی جی نے ابھی تحریک شروع کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔ مگر انگریز حکومت ہندوستانیوں کو چین سے نہ بیٹھنے دینا چاہتی تھی۔ اس نے بغیر کسی وجہ کے یہ حکم دے دیا کہ آنسو گیس چھوڑی جائے تاکہ مجمع بکھر جائے اور لوگوں کے دلوں میں خوف بیٹھ جائے۔ گویا یہ ایک تنبیہہ بھی تھی کہ جو لوگ اس جدوجہد میں شریک ہوں گے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

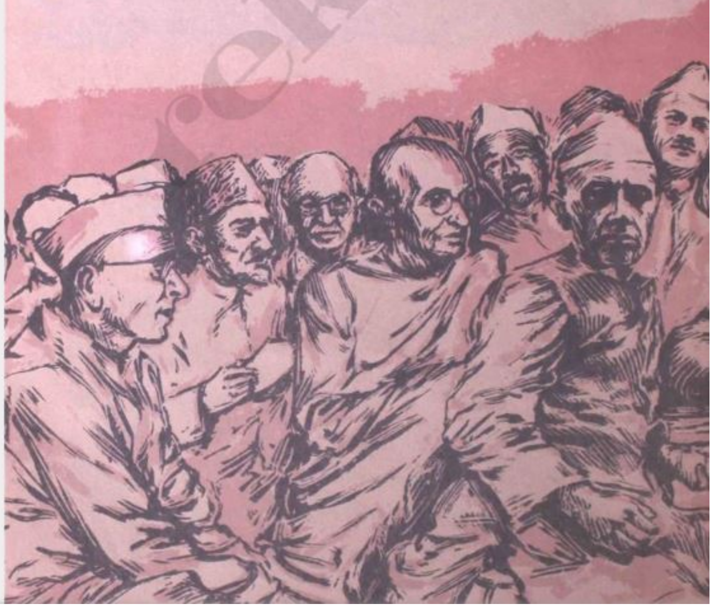

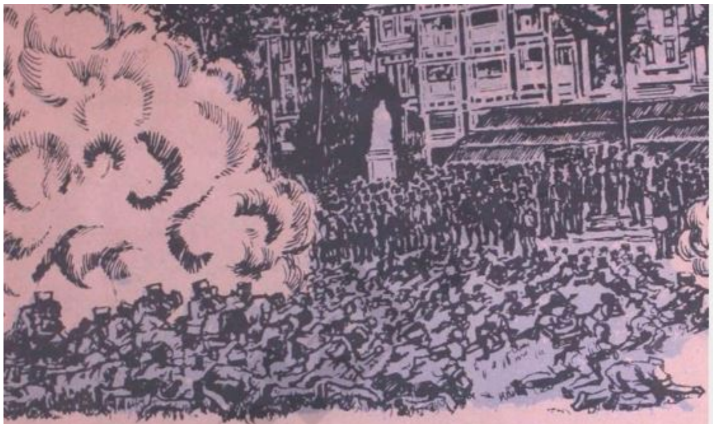

اگلے دن صبح ہی حکومت نے گاندھی جی اور دوسرے تمام ممتاز ممبروں کو گرفتار کرلیا۔ گاندھی جی کو پونا میں آغا خاں پیلیس میں رکھا گیا جہاں وہ دو برس قید رہے ان کے ساتھ کستوربا بھی تھیں۔

گاندھی جی کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی سارے دیس میں بغاوت پھیل گئی۔ تشدد پسند اور دوسرے لوگ جو کانگریس میں شامل نہ تھے اس بغاوت میں شریک تھے۔ حکومت نے اس بغاوت کو وحشیانہ ظلم و ستم کے ساتھ کچلا۔ نہتے لوگوں کو بے رحمی سے مارا پیٹا گیا بندوقوں کا بے تکان استعمال ہوا۔ جن کو پکڑا جاتا ان کو کوڑے مارے جاتے اور پھر بغیر کوئی مقدمہ چلائے ان کو زمیں دوز کال کوٹھری میں ڈال دیا جاتا تھا۔

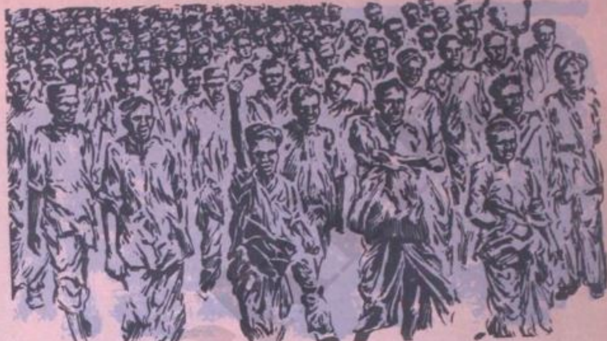

حکومت نے اس سارے ہنگامے اور تشدد کا الزام جو ان کے اور دوسرے لیڈروں کی گرفتاری کے بعد پھیلا تھا گاندھی جی اور کانگریس کے سر رکھ دیا۔ گاندھی جی نے اس جھوٹے الزام کے بارے میں وائسرائے کو لکھا اور کہا کہ ان کو قید سے چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ ملک میں امن و امان قائم کر سکیں گے۔ وائسرائے نے جواب ہی نہیں دیا۔

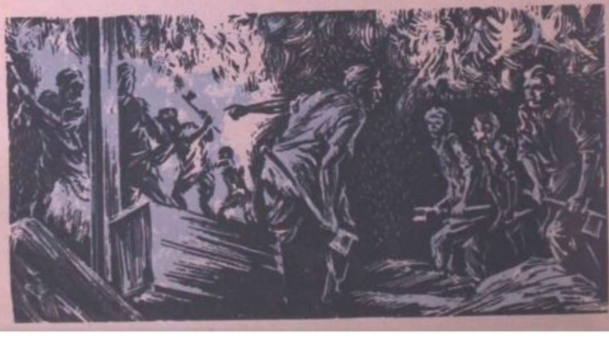

دسمبر میں دوبارہ گاندھی جی نے انھیں خط لکھا اور اصرار کیا کہ سچ بات کو ظاہر کیا جائے ایسا نہ ہوا تو وہ مجبوراً ستیہ گرہ کا طریقہ اختیار کریں گے۔ یعنی فاقہ کر کے جسم کو اذیت دینا۔

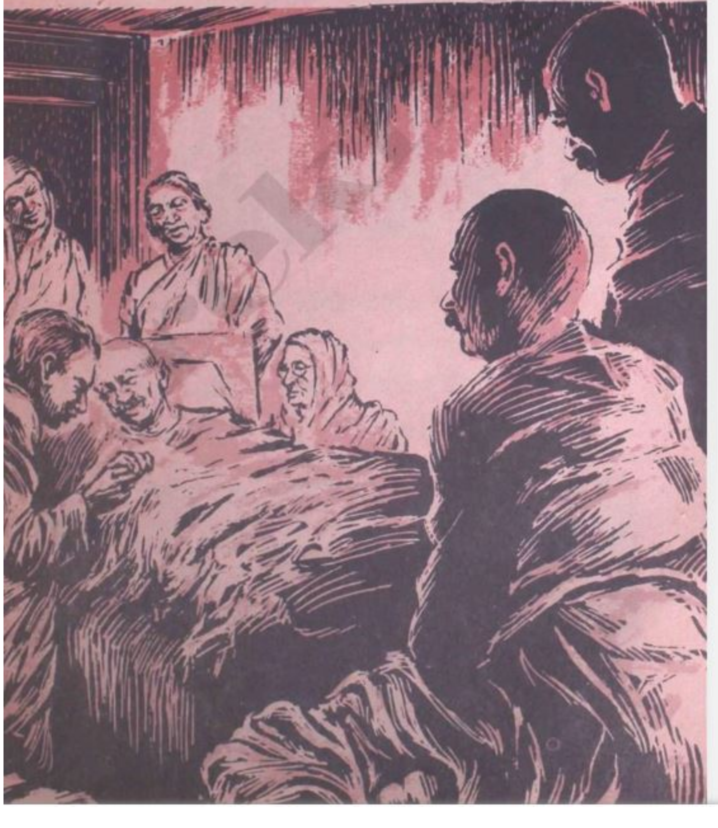

"میں فاقہ کر کے مرنا نہیں چاہتا۔" انھوں نے کہا۔ "بلکہ چاہتا ہوں کہ خدا مجھے اس آزمائش کے بعد زندہ رکھے۔" ۱۸ فروری ۱۹۴۳ کو ناشتہ کے بعد انھوں نے ۲۱ دن کا برت شروع کیا۔ ساتویں دن

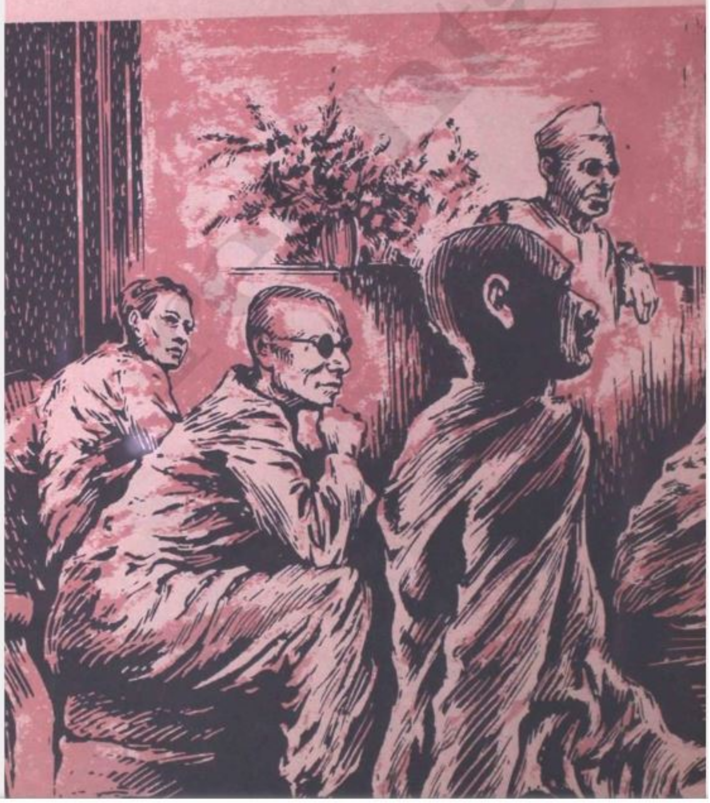

ان کی حالت بہت نازک ہوگئی۔ وہ بہت کمزور ہو گئے تھے اور نیند بھی ٹھیک سے نہیں آتی تھی دو دن بعد تو ڈاکٹروں کو یہ اندیشہ ہوا کہ وہ زندہ نہ بچیں گے۔

سارے دیس میں سخت غم و غصہ پھیلا ہوا تھا۔ جلوس نکالے جا رہے تھے۔ دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔

بہت سے انگریزوں نے بھی، جن میں ممتاز لوگ بھی شامل تھے، حکومت سے سختی کے ساتھ یہ بات کہی کہ وہ یہ سب ظلم نہ کرے۔ برنارڈ شا نے سخت ملامت کی اور بادشاہ کی کیبنٹ کو "نیم مجنوں حکومت" کا نام دیا۔ لیکن چرچل اب بھی اس پر اڑا ہوا تھا کہ مظاہرہ کرنے والوں پر پولیس کے مظالم جاری رہیں۔

سرکاری رکارڈوں کے مطابق پولس نے چار سو ستر بار گولی چلائی اور فوج نے اڑسٹھ بار دسمبر ۱۹۴۲ء تک ساٹھ ہزار ہندوستانیوں کو گرفتار کیا گیا اور انتالیس ہزار فروری ۱۹۴۳ء تک جیل میں پڑے رہے۔ پھر کیا حیرت کی بات ہے اگر گاندھی جی نے اس حکومت کی حرکتوں کو "درندوں کی سی حرکتیں" کہا۔

گاندھی جی بچ گئے اور سب نے شکر ادا کیا۔ ۳ مارچ کو کستور با کے ہاتھ سے سنترے کے رس کا گلاس لے کر انھوں نے برت ختم کیا۔

۱۹۴۳ء کے اواخر میں بنگال میں سخت اکال پڑا۔ کم سے کم پندرہ لاکھ آدمی اس میں مر گئے۔ گاندھی جی چاہتے تھے کہ جا کر قحط زدہ لوگوں کی خدمت کریں۔ مگر ان کی خواہش ٹھکرا دی گئی۔ اور ان کو رہا نہیں کیا گیا۔ کستور با جو گاندھی جی کے ساتھ آغا خاں پیلیس میں تھیں اب بستر مرگ پر تھیں۔ نومبر میں دو بار ان پر دل کا حملہ ہوا مگر حکومت نے انھیں رہا نہیں کیا۔

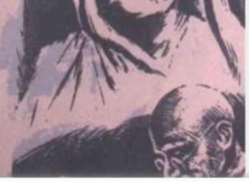

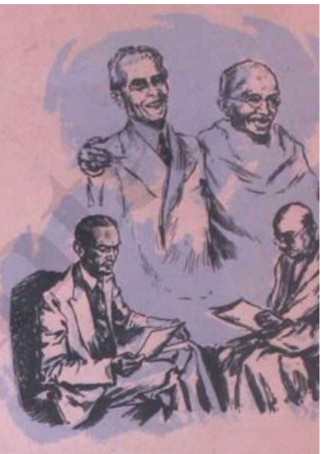

۲۲ فروری ۴۴ء کو پچھتر سال کی عمر میں وہ خدا کو پیاری ہوگئیں۔ وہ بہت اعلےٰ صفات کی مالک تھیں۔ ساٹھ برس سے کچھ زیادہ وہ گاندھی جی کی سچی رفیق رہیں۔ جیل میں ان کی موت کی خبر سن کر پورے ملک میں غم و غصہ پھیل گیا۔

محل کے احاطے میں سو کے قریب دوست احباب ان کے داہ سنسکار میں شریک ہونے اور اس عظیم عورت کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے۔

لوگوں کے دل میں جو ان کی گہری عقیدت تھی اس کے اظہار کے لئے ان کی یادگار کے لئے لاکھوں کا فنڈ جمع کیا گیا اور اس روپے کو دیہات کی عورتوں اور بچوں کی بھلائی کے کاموں کے لئے وقف کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصے بعد گاندھی جی بیمار پڑ گئے۔ نئے وائسرائے لارڈ ویول نے ۶ مئی کو ان کو رہا کر دیا۔

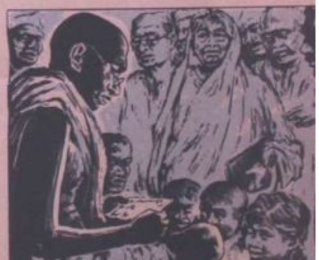

تندرست ہونے اور کچھ دن آرام کرنے کے فوراً ہی بعد گاندھی جی نے وائسرائے سے ہندوستان اور برطانیہ کے تعلقات پر بات چیت شروع کر دی۔ پھر وہ محمد علی جناح سے ملے اور کوشش کی کہ اس مسئلے کا کوئی ایسا حل نکالیں جو دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ اس کوشش میں ان کے ساتھ راجگوپالاچاریہ بھی شریک تھے

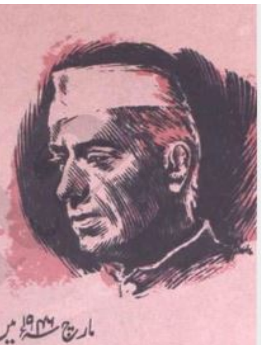

سارا ہندوستان بڑے اشتیاق سے اس بات چیت کے نتیجے کا انتظار کر رہا تھا جس پر قوم کے مستقبل کا دار و مدار تھا مگر بات چیت کامیاب نہیں ہوئی۔ اس کے بعد کتنی ہی بار بات چیت ہوئی۔ مسلم لیگ جس کے لیڈر مسٹر جناح تھے، اس بات پر اڑی ہوئی تھی کہ ایک الگ ریاست پاکستان کے نام سے بنائی جائے۔

مارچ ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے اپنے تین وزیروں کو ہندوستان بھیجا کہ وہ ایک ایسا آئین تیار کریں جس کی رو سے ہندوستان اپنے مستقبل کا خود فیصلہ کر سکے۔

۲ ستمبر کو ایک عارضی حکومت قائم ہوئی جس کے پرائم منسٹر جواہر لال نہرو مقرر ہوئے ظاہر ہے گاندھی جی کا مشورہ ہر قدم پر لیا جاتا رہا۔

مسلم لیگ کا دعویٰ تھا کہ کیبنٹ کے لئے جو مسلمان وزیر ہوں گے انھیں صرف وہی نامزد کر سکتی ہے۔ جناح صاحب نے تعاون کرنے سے بالکل انکار کر دیا۔ لیگ اس سے پہلے ۱۶ اگست کو ہی ڈائرکٹ ایکشن ڈے منا چکی تھی جس میں اس نے اپنی پارٹی کے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ ۲ ستمبر کو کالے جھنڈے لہرا کر خفگی کا اظہار کریں۔

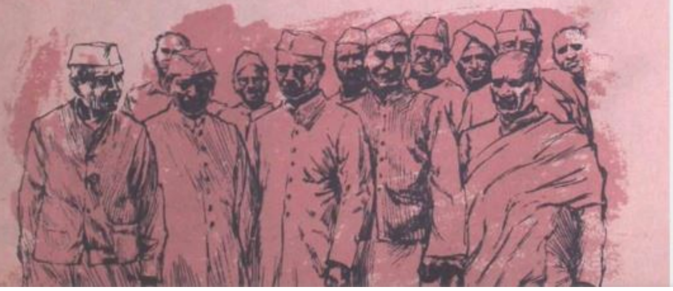

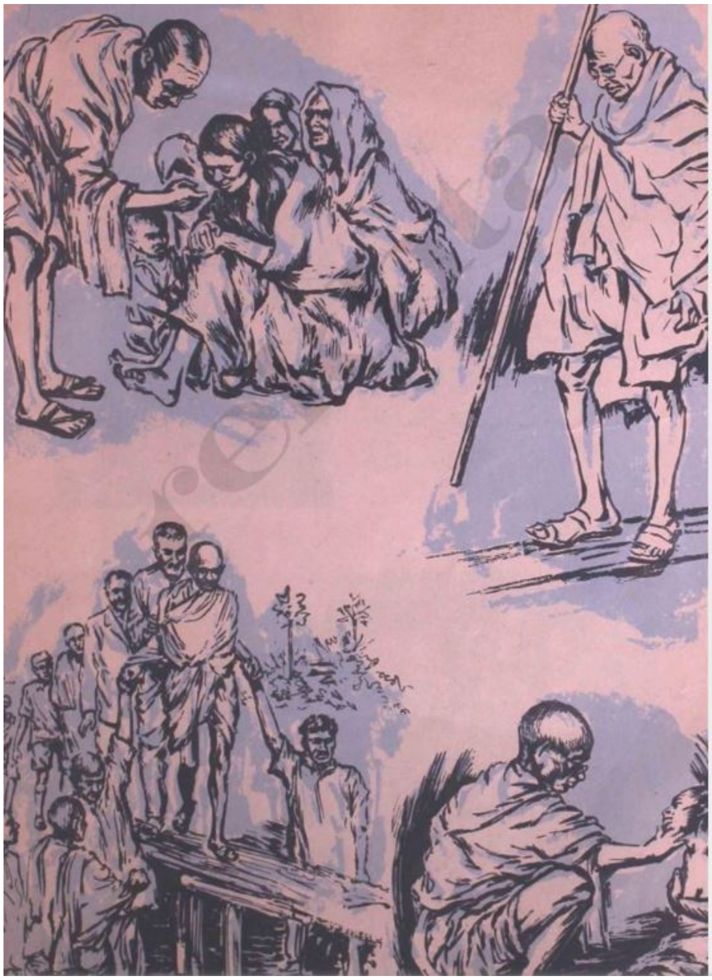

۱۶ اگست کو کلکتہ میں فساد ہوئے جس میں پانچ ہزار کے قریب آدمی مارے گئے۔ ملک کے دوسرے حصوں میں بھی جھگڑا فساد شروع ہو گیا۔ گاندھی جی فوراً کلکتہ روانہ ہوئے تاکہ امن و امان قائم کرنے کی کوشش کریں۔

بعد میں کسی طرح مسلم لیگ عارضی حکومت میں شریک ہو گئی۔ نہرو جی اور مسلم لیگ کے ایک وزیر عبدالرب نشتر نے بھی کلکتہ کا دورہ کیا۔

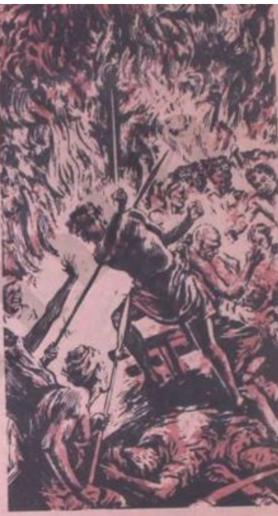

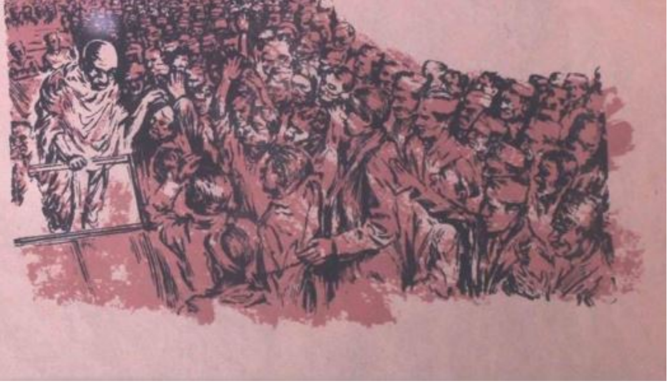

گاندھی جی کلکتہ میں تھے کہ خبر آئی کہ بنگال میں نواکھلی اور ٹپرا میں بھی فساد ہو گیا ہے جس میں ہندو مارے گئے ہیں۔ یہ بات کہ اب گاؤں میں بھی یہ شرمناک ظلم ہونے لگے، گاندھی جی کو اس سے اور زیادہ دکھ ہوا۔ انھیں اندیشہ تھا کہ اگر یہ نفرت دیہات میں بھی پھیل گئی تو قوم کی تباہی یقینی ہے۔ اگرچہ ان کی صحت خراب تھی مگر وہ نواکھلی روانہ ہو گئے۔

نومبر ۱۹۴۶ء سے مارچ ۱۹۴۷ء تک انھوں نے انچاس گاؤں کا پیدل دورہ کیا۔ اکثر وہ ننگے پاؤں راستہ طے کرتے تھے۔ اس لئے کہ یہ یاترا وہ اس ظلم اور تشدد کے کفارہ کے لئے کر رہے تھے جو سارے ملک میں پھیلا ہوا تھا۔

جب انھوں نے یہ خبر سنی کہ بہار میں فساد شروع ہو گیا ہے اور وہاں مسلمان مارے جا رہے ہیں تو وہ ان کی مدد کے لئے بہار روانہ ہو گئے۔

اس سے پہلے ۶ اگست ۱۹۴۵ء کو ہیروشیما اور ناگاساکی پر اٹیم بم پھینکا گیا تھا ان بموں سے نکلا، سانپ کی چھتری کا سا بادل نما دھواں دو سو میل دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ جاپان کے یہ دونوں شہر بالکل تباہ و برباد ہو گئے اور جاپان نے ہتھیار ڈال دئیے۔

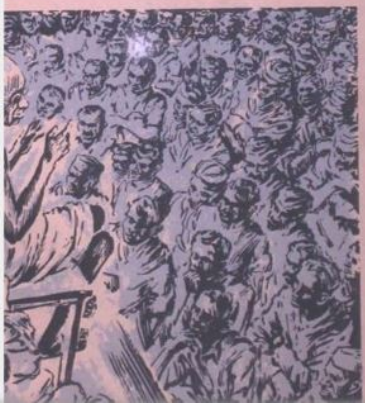

اس موقع پر گاندھی جی نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا: "اب صرف عدم تشدد ہی باقی رہ گیا ہے۔ یہی ایک چیز ہے جسے ایٹم بم برباد نہیں کر سکتا ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ بات دلچسپ بھی ہے اور پُر اثر بھی کہ اس وقت دنیا کے سب سے بڑے سائنس داں آئنسٹن نے گاندھی جی کی تعریف کرتے ہوئے کہا "شاید آنے والی نسلیں مشکل سے اس بات کا یقین کر سکیں گی کہ گوشت پوست کا بنا ایک ایسا آدمی بھی اس زمین پر چلتا پھرتا تھا۔"

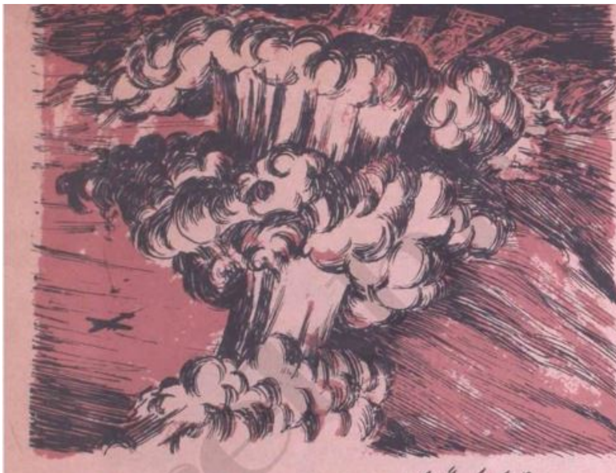

۲۳ مارچ ۱۹۴۷ء کو دلی میں انٹر ایشین ریلیشن کانفرنس ہوئی۔ گاندھی جی سے درخواست کی گئی کہ اس میں تقریر کریں۔ اس میں ایشیا کے بہت سے ملکوں اور سوویت یونین کی پانچ سو ریاستوں کے نمائندوں نے شرکت کی اور اس مسئلے پر بحث و مباحثہ ہوا کہ ان ملکوں کے آپس کے تعلقات کیسے خوشگوار اور قریبی رہ سکتے ہیں۔

گاندھی جی نے انھیں بتایا کہ وہ ہندوستان کا اصلی روپ مغرب زدہ شہروں میں نہیں بلکہ سات لاکھ گاؤں میں دیکھ سکتے ہیں۔ انھوں نے یاد دلایا کہ دنیا کے جتنے بڑے مذہب ہیں ان سب کے بانی حضرت عیسیٰ سمیت، مشرق میں ہی ہوئے ہیں۔ اس لئے اب بھی انھیں مشرق کا پیام مغرب کو پہنچانا ہے۔ یہ بھی کہا کہ ان کے دلوں میں مغرب کی طرف سے، جس نے ان کے ملک کو لوٹا اور ستایا ہے نفرت نہیں ہونی چاہئے بلکہ انھیں مشرق کی حکمت سے مغرب کو فیض پہنچانا چاہئے۔

مارچ ۱۹۴۷ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے وائسرائے ہو کر آئے۔ وہ بادشاہ کے رشتے کے بھائی اور ملکہ وکٹوریا کے پوتے تھے۔ لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن اپنے ساتھ ایک نئی اسپرٹ لے کر آئے۔ انھوں نے اعلان کیا وہ ہندوستان میں برطانیہ کی حکومت ختم کرنے آئے ہیں۔

انھوں نے گاندھی جی سے درخواست کی کہ وہ ان سے آکر ملیں۔

گاندھی جی اس وقت بہار میں تھے۔ اگرچہ ان کے لانے کے لئے ایک خاص ہوائی جہاز کا انتظام کیا گیا مگر انھوں نے ریل سے حسب دستور تھرڈ کلاس میں سفر کیا۔ دو گھنٹے تک ان کی اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی گفتگو ہوئی۔ اس وقت سے ان میں ایک گہری، پرخلوص اور یادگار دوستی قائم ہوئی۔ پھر اگلے بارہ دن میں ان کی چھ بار ملاقات ہوئی۔

لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن گاندھی جی کا بڑا احترام کرتے تھے۔ گاندھی جی کو بھی ان پر بھروسہ تھا اور وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ بہر حال ہندوستان کو آزادی دلانا چاہتے ہیں چاہے برطانیہ کی شہنشاہی جائے یا رہے۔

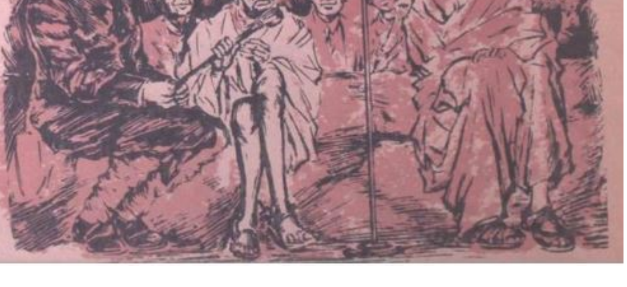

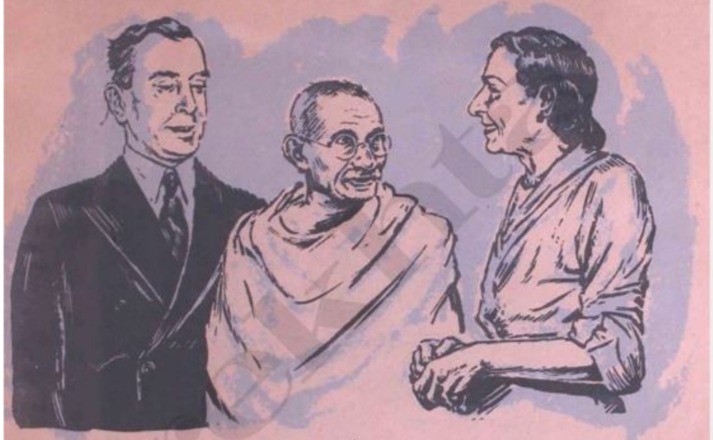

ان کا یہ خیال درست تھا لیکن آزادی جن حالات میں آئی ان کا نہ گاندھی جی کو اندازہ تھا اور نہ وہ انھیں پسند کرتے تھے۔ ملک کو تقسیم کرنا پڑا۔ اس لئے کہ دونوں فرقوں کے مطالبوں میں پورب پچھم کا سا فرق تھا۔ گاندھی جی بہت سے لیڈروں سے ملے، سمجھایا بجھایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

ایک پرارتھنا سبھا میں انھوں نے بتایا کہ کانگریس نے اس شرط پر پاکستان بننا قبول کیا ہے کہ پنجاب اور بنگال کا بٹوارہ ہو۔ "میں ہندوستان کی کسی بھی تقسیم کے خلاف ہوں، سوا خدا کے کوئی بھی مجھے اس کو منظور کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ ۔ ۔ " انھوں نے بہت دکھ کے ساتھ کہا کہ ان کے بتیس برس کے کام کا جو نتیجہ نکلا وہ بڑا افسوس ناک ہے "میں پندرہ اگست کے جشن میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

گھنٹے نے رات کے بارہ بجائے ایک نیا دن شروع ہوا۔ بظاہر جیسے اور سب دن ہوتے ہیں یہ ۱۵ اگست کا دن تھا۔ آج ہندوستان کو ایک سو نوے برس کے بعد انگریز راج سے

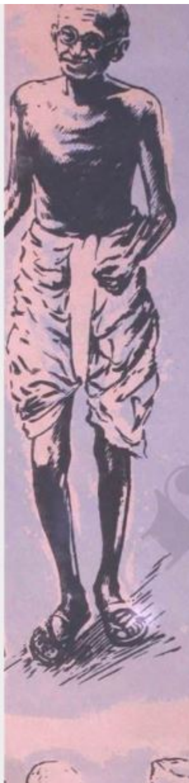

چھٹکارا ملا تھا۔

نئی دہلی کے عظیم الشان پارلیمنٹ ہاؤس میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے وہ سرکاری اعلان پڑھا جس میں ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیا گیا تھا۔ فوراً ہی ہر طرف خوشی کے نعرے لگائے جانے لگے، توپیں دغیں، گرجاؤں کے گھنٹے بجے، ریلوں نے سیٹیاں بجائیں اور اس طرح اس عظیم تاریخی واقعہ کا مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔

وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے کہا: "دنیا سو رہی ہے اور ہندوستان جاگ اٹھا ہے ایک نئی زندگی کی ابتدا کرنے کے لئے۔"

ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا "مقررہ دن آ پہنچا وہ دن جو تقدیر نے مقرر کیا تھا۔ ہندوستان بہت دن سوتے اور بہت دن جد و جہد کرنے کے بعد جاگ اٹھا ہے۔ آزاد، خود مختار زندگی سے بھرپور . . .

"ہم آزادی کی خوشی مناتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے سر پر مصیبت کے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ ہمیں بہت سے مشکل مسئلوں کا سامنا ہے اور ہمارے بہت سے لوگ مصیبت میں مبتلا ہیں۔

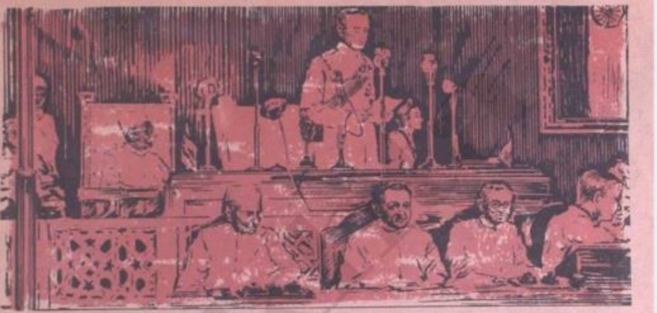

"آج کے دن ہمارا خیال سب سے پہلے آزادی کے معمار، باپو، بابائے قوم کی طرف جاتا ہے جن کے اندر ہندوستان کی روح مجسم ہو گئی ہے۔ انھوں نے آزادی کی شمع ہاتھ میں لے کر اس اندھیرے میں جو ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اجالا کر دیا۔

"پھر ہمیں دھیان کرنا چاہیے آزادی کے ان گم نام جاں نثاروں اور سپاہیوں کا جنھوں نے بغیر کسی تعریف کی تمنا یا بدلے کی خواہش کے مرتے دم تک ہندوستان کی خدمت کی۔

"ہم دنیا کی قوموں کو اپنا سلام بھیجتے ہیں اور یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ مل کر آزادی، امن اور جمہوریت کا بول بالا کریں گے۔ - - - - - -

"اور اپنی بھارت ماتا کو جو جگوں پرانی ہے، پھر بھی ہر دم نئی ہے، ہم عقیدت اور احترام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور نئے سرے سے اس کی خدمت کا عہد کرتے ہیں۔"

لاکھوں کروڑوں ہندوستانیوں نے اس شاندار فتح کا جشن منایا جو بغیر ایک بھی گولی چلائے انھیں حاصل ہوئی تھی۔ ہر طرف چراغاں ہوئے سجاوٹ کی گئی، جلوس نکلے، ناچ اور گانے ہوئے اور ہزاروں مقام پر قومی جھنڈے لہرانے کی رسم ادا کی گئی۔

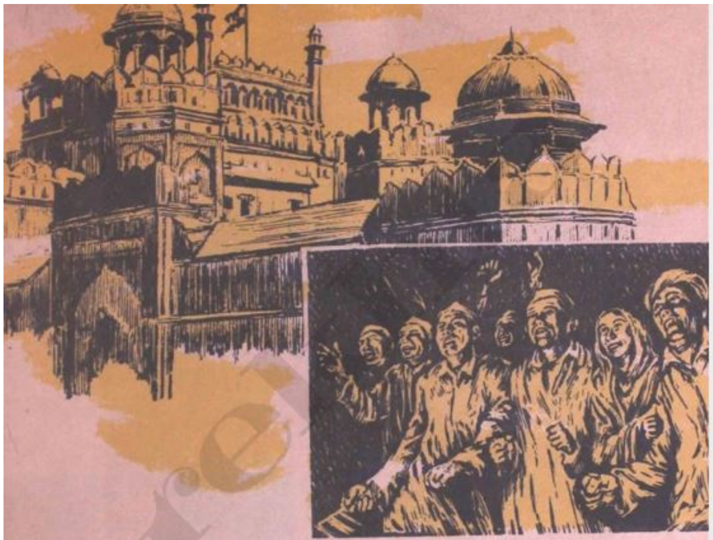

rekhta

تیار تھے۔ برطانیہ کے خلاف ان کے دلوں میں کوئی غصہ نہ تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ان کے دلوں کو جیت لیا تھا اور وہ چلا رہے تھے "لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی جے" "انقلاب زندہ باد"۔ ہزاروں گلوں سے بار بار اپنے لیڈروں کے جے کارے نکل رہے تھے۔

لیکن ایک شخص تھا جو اس جشنِ آزادی میں شریک نہ تھا۔ وہ جس کا اس آزادی کے حاصل کرنے میں سب سے بڑا حصہ تھا۔ گاندھی جی نے دہلی کا دعوت نامہ قبول نہیں کیا قوم کے نام کوئی پیام نہیں بھیجا اس سارے دھوم دھڑکے کے درمیان وہ دکھی تھے، غمزدہ تھے۔ اس شور و غل کی طرف سے انھوں نے اپنے کان بند کر لئے تھے۔

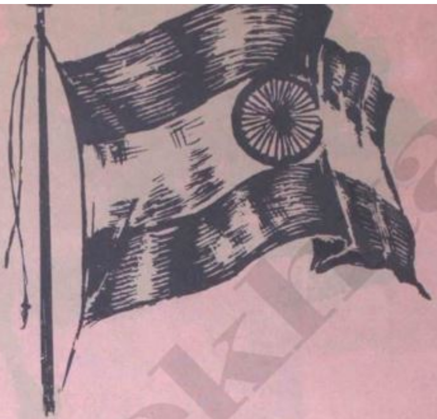

rekhta

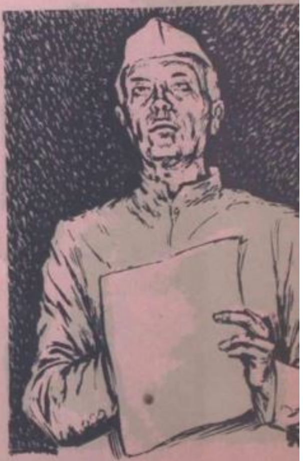

لال قلعہ کی شاندار فصیل پر زعفرانی سفید اور سبز جھنڈا بڑی شان اور فخر کے ساتھ لہرا رہا تھا۔ کتنے لوگوں نے قلعہ کے سامنے کھڑے ہو کر آزاد ہندوستان کے پرچم کو سلام کیا۔ اور لال قلعہ ایک بار پھر زندہ تاریخ کا مرکز بن گیا۔

لوگ پچھلی باتوں کو بھلا دینے کو

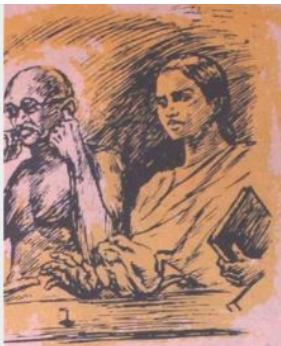

آج ان کے سامنے ان کے خوابوں کا آزاد متحد ہندوستان نہ تھا۔ بلکہ ایک ایسا دیس جس کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے تھے۔ انھوں نے ہندو مسلمانوں میں محبت اتفاق پیدا کرنے کی جان توڑ کوشش کی۔ لیکن ہوا کیا؟ ملک دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ پاکستان بن گیا۔

گاندھی جی غم زدہ تھے کہ ان کی تیس سال کی محنت کا یہ "افسوس ناک انجام" ہوا انھوں نے دن بھر برت رکھا، دعائیں کیں اور مسلسل چرخا کاتا۔ انھوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا۔ "انسانیت پر بھروسہ کرنا مت چھوڑو، انسانیت ایک سمندر کی طرح ہے۔ اگر سمندر کے چند قطرے گندے ہو جائیں تو اس سے سمندر گندہ نہیں ہوتا۔"

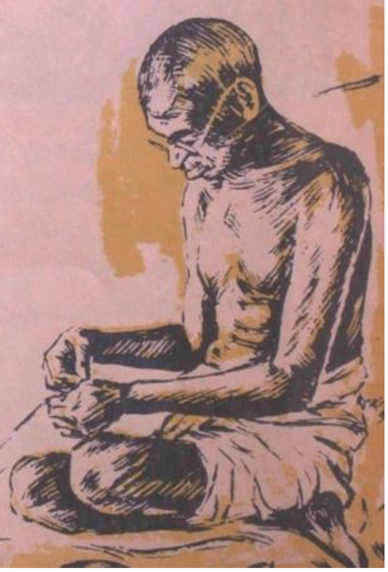

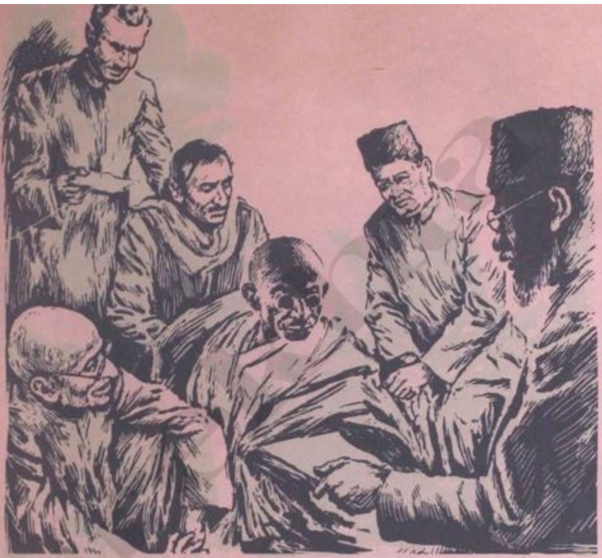

"اے مالک" انھوں نے پکار کر کہا۔ "تاریکی سے روشنی کی طرف ہماری رہنمائی کر۔" پنجاب میں آزادی کے بعد تشدد کی آگ بھڑک اٹھی۔ لیکن کلکتہ میں ان کی موجودگی کی وجہ سے کچھ عرصے تک بنگال میں فساد رکا رہا۔ لیکن ستمبر میں وہاں پھر فساد پھوٹ پڑا۔ اب گاندھی جی نے وہی آخری تدبیر آزمائی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ اگر یہ خوں ریزی بند نہ ہوئی تو وہ مرن برت رکھ کر جان دے دیں گے۔ دیکھتے دیکھتے نقشہ بدل گیا۔ لاٹھیاں چاقو اور دوسرے ہتھیار پھینک دیئے گئے۔ شہر کے ایک اخبار نے لکھا۔ "وہ مرنے کے لئے تیار ہیں تاکہ لوگ امن سے زندہ رہ سکیں۔"

ان کا کام ستمبر کے آخر تک پورا ہوا۔ اور گاندھی جی دلی میں آکر برلا ہاوس میں مقیم ہوئے۔

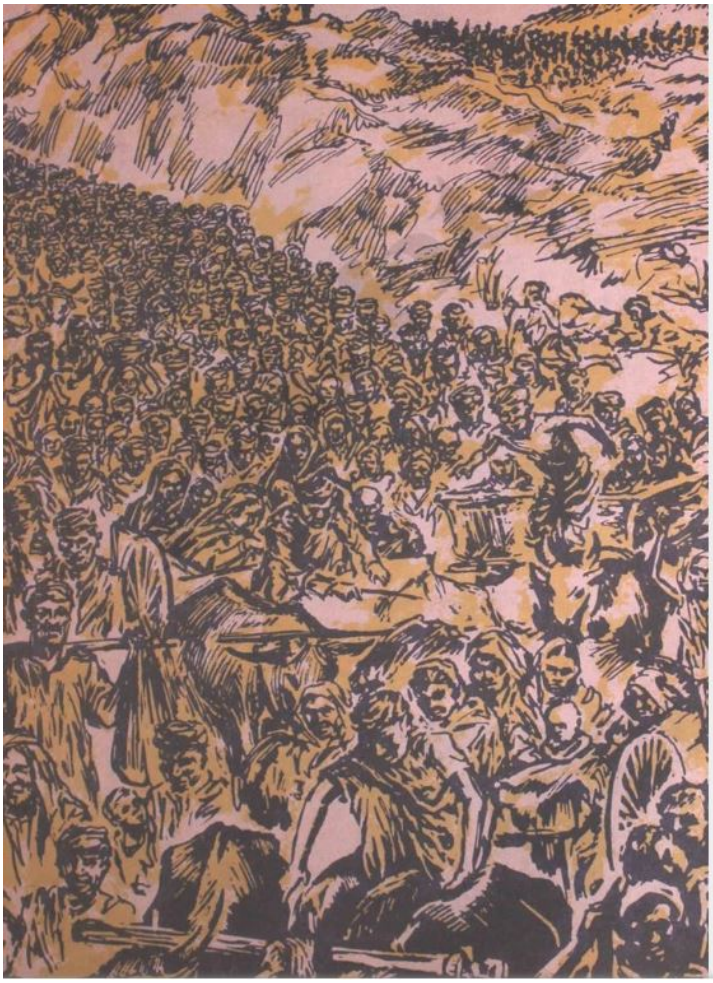

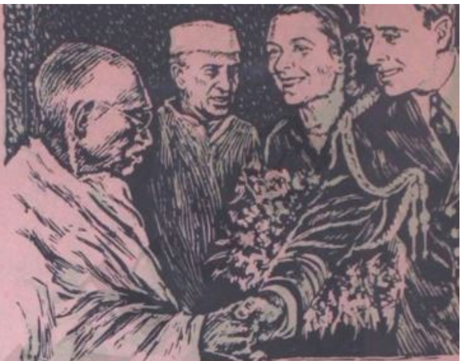

۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ان کی اٹھترویں سالگرہ پر لارڈ اور لیڈی ماؤنٹ بیٹن ان کو مبارک باد دینے آئے۔ گاندھی جی کچھ مذاق اور کچھ سنجیدگی میں اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ انھیں امید ہے کہ وہ ایک سو پچیس برس تک زندہ رہیں گے، جو ہندو روایات کے مطابق انسان کی زیادہ سے زیادہ عمر ہے۔ لیکن اب انھیں زندہ رہنے کی ذرا بھی خواہش نہ رہی تھی۔ دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیر تھی۔ ان کے خواب چکنا چور ہو چکے تھے۔

میں نے سنا ہے کہ مغربی پنجاب سے ہندوؤں اور سکھوں کا 57 میل لمبا ایک قافلہ بھارت آرہا ہے۔ اس کا تصور کرتا ہوں تو میرا سر چکرانے لگتا ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ہے۔

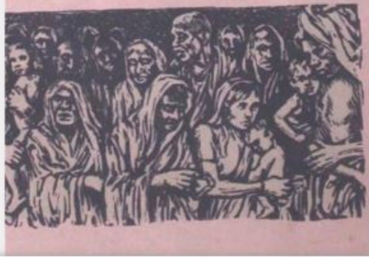

میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے
تمھیں بھی شرم آنی چاہیے۔"

یہ بات گاندھی جی نے کوئی مبالغہ سے نہیں کہی تھی۔ ہجرت کر کے آنے والے ایک کروڑ پچاس لاکھ آدمیوں کا 57 میل

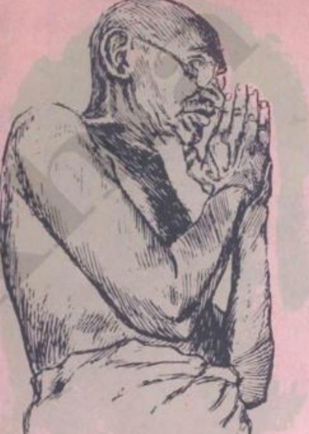

لمبا قافلہ جو سیکڑوں میل چل کر اپنی ساری پونجی پیچھے چھوڑ کر اُدھر سے اِدھر آ رہا تھا۔ تاریخ میں آج تک لوگ اتنے بڑے پیمانے پر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہوئے تھے۔ یہ بدنصیب لوگ اب بے گھر اور محتاج ہو گئے تھے۔ پنجاب کے اس حصے سے جو اب پاکستان کہلاتا تھا لاکھوں ہندو سکھ چلے آ رہے تھے اور اسی طرح لاکھوں مسلمان ہندوستان سے پیدل پاکستان کی طرف جا رہے تھے۔ کبھی کبھی مخالف سمتوں سے آنے والے قافلوں میں ٹکر ہو جاتی تھی اور وہ خوفناک منظر دیکھنے میں آتے تھے جن کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سے لوگ بھوک پیاس کی شدت یا بیماری کی وجہ سے راستے ہی میں گر کر مر جاتے تھے۔

فرقہ وارانہ نفرت نے، جو مذہبی جنون لوگوں میں پیدا کر دیا تھا اس نے ان کو وحشی بنا دیا تھا۔ مگر اس سب کے باوجود گاندھی جی کا انسانیت اور خدا پر سے عقیدہ نہیں اٹھا۔

پہلے بھی ان پر ایسے سخت وقت گزر رہے تھے جب مایوسی کا گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا اور وہ سخت دل برداشتہ اور نا امید تھے۔ کیسے انھوں نے ایسے وقت کا مقابلہ کیا؟ اس کو انھوں نے یوں سمجھایا ہے۔ ” مجھے دعاؤں نے زندہ رکھا۔ یہ نہ ہوتیں تو میں

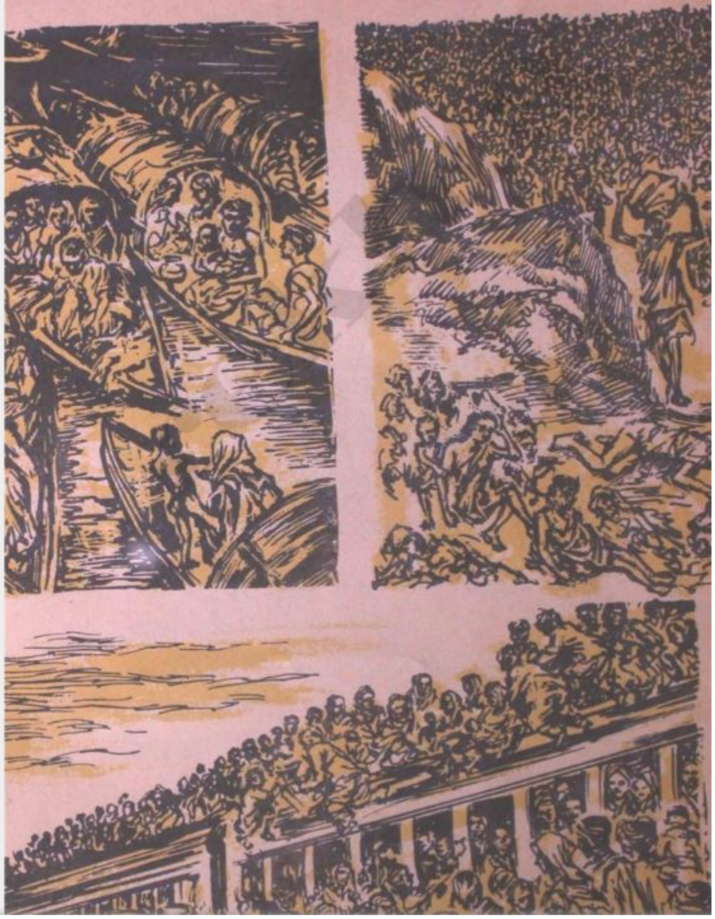

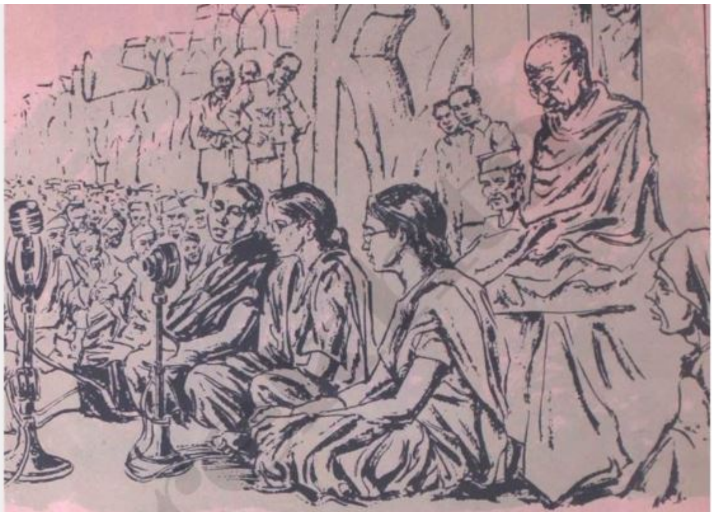

مدت ہوئی، میں پاگل ہوگیا ہوتا۔ دوسروں کی طرح مجھے بھی نجی اور پبلک زندگی میں بہت سخت اور تلخ تجربوں سے سابقہ پڑا ہے ان سے عارضی طور پر مجھ پر مایوسی چھا گئی۔ اس سے اگر میں نجات پاسکا تو صرف دعاؤں کے صدقے میں۔ حق پرستی کی طرح یہ بھی میری زندگی کا ایک جُز ہیں۔"

آگے چل کر انھوں نے کہا "ہر روز میں اتنی مصیبت اور مایوسیوں سے دوچار ہوا ہوں کہ اگر میں اپنے دل کے اندر خدا کے وجود کا یقین نہ رکھتا تو کب کا دیوانہ ہو چکا ہوتا اور کسی دن دریائے ہگلی میں کود پڑتا۔"

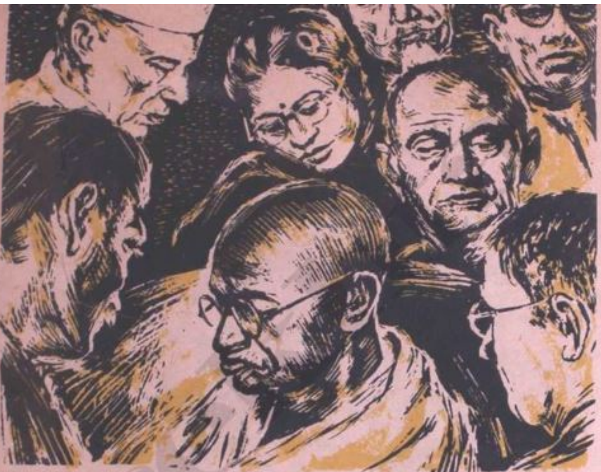

اب گاندھی جی دلی آگئے تھے۔ ہندو مسلمانوں کے آپس کے تعلقات کی وجہ سے بے حد غمگین اور مایوس، انھوں نے کہا۔ "آج سے پہلے کبھی میں نے بے بسی کو برداشت نہیں کیا تھا۔"

بغیر کسی سے مشورہ کئے، انھوں نے مرن برت رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔ "یہ برت بھارت کے ہندووں اور پاکستان کے مسلمانوں کے ضمیر کو جگانے کے لئے ہے۔" سب لوگ چونک پڑے اور دونوں فرقوں میں امن قائم کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ سب کو کو فکر تھی کہ کسی طرح ان کی جان بچالیں۔ ہندوستان کی حکومت نے ۵۵ کروڑ روپیہ جو اسے پاکستان کے حصہ کا ادا کرنا تھا روک لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بعد میں جو رقم پاکستان کے ذمہ نکلے گی وہ اسی سے ادا کر دیا جائے گا۔ مگر اب گاندھی جی کے کہنے پر فوراً یہ رقم پاکستان کو بھیج دی گئی۔

برت کے دوران وہ بے حد کمزور ہوتے جا رہے تھے۔ آواز بھی بمشکل منہ سے نکلتی تھی۔ آخر تمام فرقوں کے نمائندوں کی طرف سے امن قائم رکھنے کے عہدنامے پر دستخط ہو گئے اور اس طرح گاندھی جی کو مطمئن کیا گیا۔

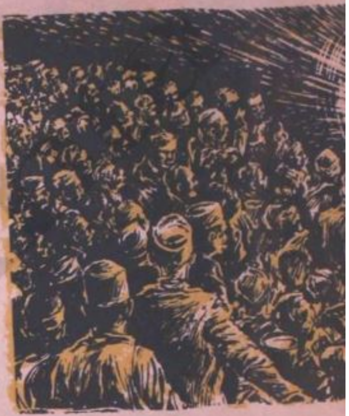

پرارتھنا سبھا ہوئی جس میں ان کے پسندیدہ بھجن گائے گئے اور اس کے بعد گاندھی جی نے اپنا برت توڑ دیا۔

گاندھی جی برابر اپنی پرارتھنا سبھا میں پابندی سے جاتے رہتے تھے۔ اپنا برت توڑنے کے بعد بھی وہ ایک کرسی پر برلا ہاؤس کے اس چھوٹے سے کمرے سے جس میں وہ رہتے تھے، پرارتھنا سبھا میں لائے گئے۔

دوسرے دن شام کو حسب دستور پرارتھنا سبھا ہو رہی تھی کہ زور کا دھماکہ سنائی دیا۔ یہ بم کا دھماکہ تھا جو گاندھی جی پر پھینکا گیا تھا۔ وہ ان سے کچھ دور پر پھٹا جس سے باغ کی دیوار کا کچھ حصہ اڑ گیا۔ گاندھی جی سکون سے بیٹھے رہے۔ "اس سے گھبراؤ نہیں، میری بات سنو" انھوں نے سمجھایا۔ ان کے برت نے مسلمانوں کی جانیں بچائی

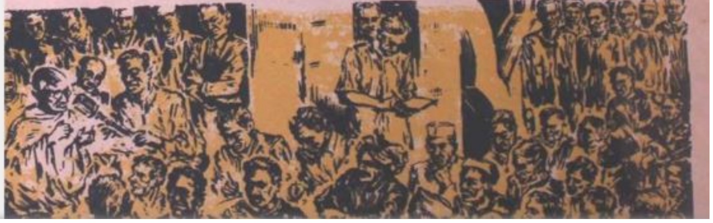

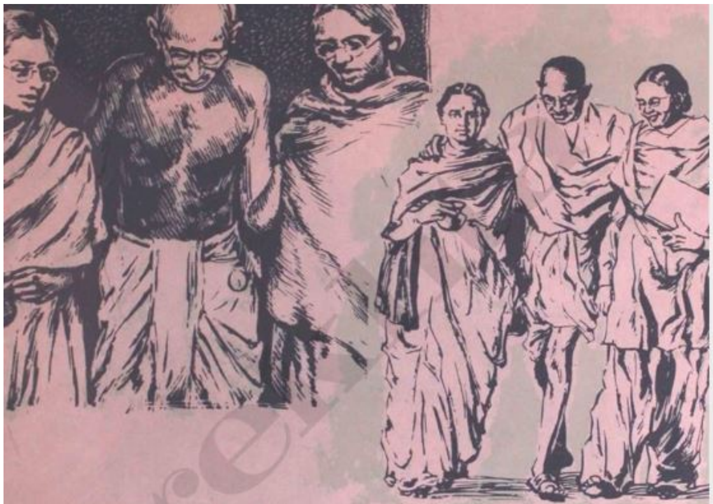

تھیں اس سے کچھ فرقہ پرست متعصب لوگ ان کے دشمن ہو گئے تھے۔ بہر حال انھوں نے سختی سے یہ کہہ دیا کہ پرارتھنا سبھا میں آنے والے لوگوں کی تلاشی ہرگز نہ لی جائے۔

جمعہ کا مبارک دن تھا۔ ۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء کا ایک بہت سرد دن۔ صبح سویرے گاندھی جی نے اپنے کام کرنے والے ساتھی سے کہا: "میرے سب ضروری خط لے آؤ۔ آج مجھے سب کا جواب دینا ہے۔ ہو سکتا ہے کل میں ہوں ہی نہیں۔"

شام کو پانچ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے گاندھی جی اپنی پوتیوں منو اور ابھا کے سہارے جلد جلد کمرے کی پانچ چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں اتر کر لان پر آ گئے اور پرارتھنا سبھا کے چبوترے کی طرف بڑھے۔

سب لوگ سلام کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ بہت سے لوگ آگے بڑھ آئے، کچھ لوگ ان کو راستہ دینے کے لئے ہٹ گئے۔ ایک دم خاکی یونیفارم پہنے ایک شخص دھکا دے کر آگے بڑھا۔ پہلے ہی دیر ہو چکی تھی اس لئے منو نے اسے روکنے کی

کوشش کی مگر اس نے دھکا دے کر اسے گرا دیا۔

مہاتما گاندھی سے دو فٹ کے فاصلے پر وہ رکا، جھک کر پرنام کیا اور پھر اپنا پستول نکال کر تیزی سے ایک، دو، تین گولیاں چلائیں۔ پہلی گولی گاندھی جی کے پیٹ میں گھس کر پیٹھ سے باہر نکل آئی۔ دوسری ان کے سینے میں لگی جو پھیپھڑے میں گھس گئی۔

پہلی گولی کھا کر ان کا اٹھا ہوا پیر زمین پر گرا لیکن وہ کھڑے رہے۔ دوسری پر ان کے چہرے کا رنگ راکھ جیسا ہو گیا اور ان کے سفید کپڑے خون سے رنگین، دھیرے سے ان کا ہاتھ پہلو میں گر پڑے۔

بہت نرم لہجے میں ان کے منہ سے نکلا "ہے رام" اس کے بعد تیسری گولی کھائی اور وہ زمین پر گر پڑے، عینک زمین پر گر پڑی اور پیروں سے چپل نکل گئی۔ ابھا اور منو نے ان کا سر پکڑا۔ لوگ اٹھا کر انھیں برلا ہاؤس لے گئے۔

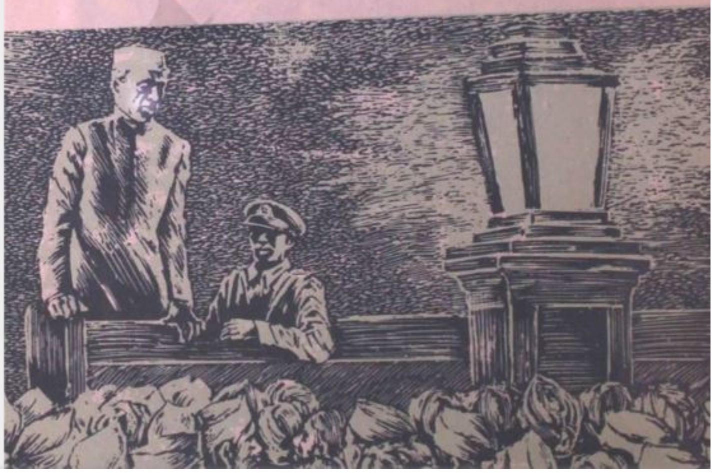

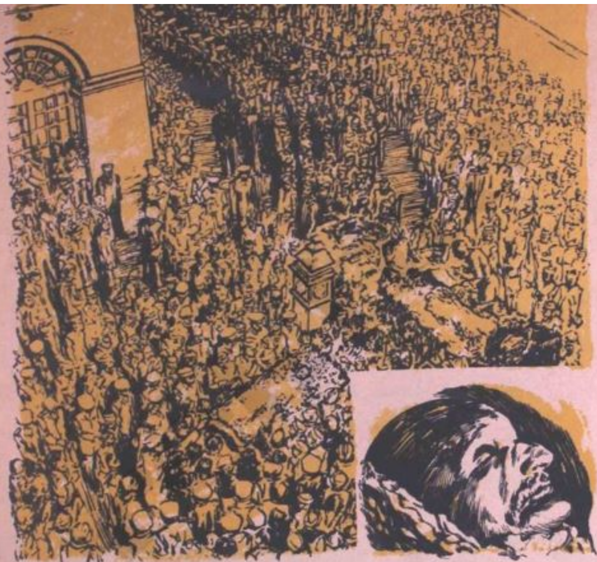

دس منٹ بعد ایک ڈاکٹر نے اعلان کیا کہ وہ خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔

جواہر لال نہرو آفس سے دوڑے آئے۔ وہ ان کے جسم کے پاس گھٹنوں کے بل جھک گئے، اپنا چہرہ ان کے خون سے تر بتر کپڑوں میں چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ سارا جسم ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

نہرو کا یہ فرض بھی تھا کہ اس الم ناک حادثہ کا اعلان کریں۔ برلا ہاؤس کے پھاٹک پر جا کر، جہاں ہزاروں آدمی جمع ہو گئے تھے، انھوں نے لوگوں کو یہ غم ناک خبر سنائی۔

رات کو انھوں نے ریڈیو پر یوں خطاب کیا۔ "ہماری زندگی کی روشنی بجھ گئی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا بتاؤں، کیسے کہہ دوں کہ ہمارا محبوب لیڈر، قوم کا باپ، جسے ہم پیار سے باپو کہتے تھے اب اس دنیا میں نہیں رہا۔"

اگلے دن گاندھی جی کا داہ سنسکار ہوا۔ پانچ میل لمبا جلوس ان کی ارتھی کے پیچھے پیچھے دریائے جمنا تک گیا۔ لاش ایک فوجی توپ گاڑی میں قومی جھنڈے میں لپٹی ہوئی رکھی تھی گاڑی کو پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ بری، بحری اور ہوائی فوج اور پولیس کے چھ ہزار سپاہی سامنے اور پیچھے مارچ کر رہے تھے۔ پندرہ لاکھ آدمی جلوس کے ساتھ چل رہے تھے اور دس لاکھ راستے میں کھڑے درشن کر رہے تھے۔

نہرو جی اپنے کو بڑا تنہا اور بے سہارا محسوس کرنے لگے تھے۔ ان کے کندھوں پر قوم کی بھاری ذمہ داری آ پڑی تھی اور اب ان کے پاس قوم کا باپ رہنمائی کرنے اور مشورہ دینے کے لئے نہ تھا۔

رام داس نے اپنے والد کی میت کو آگ دی۔ بڑا المناک نظارہ تھا۔ ہر شخص رو پڑا۔ آدمیوں کا جو سمندر سا تھا اس سے رونے اور بین کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آگ کے شعلوں نے گاندھی جی کے مقدس جسم کو جلا کر راکھ کر دیا۔

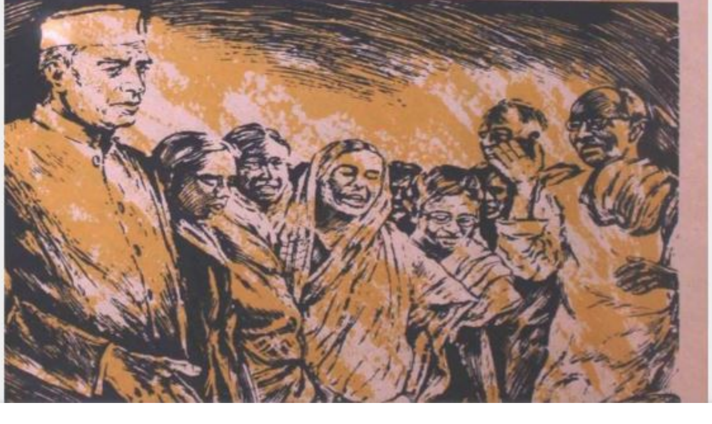

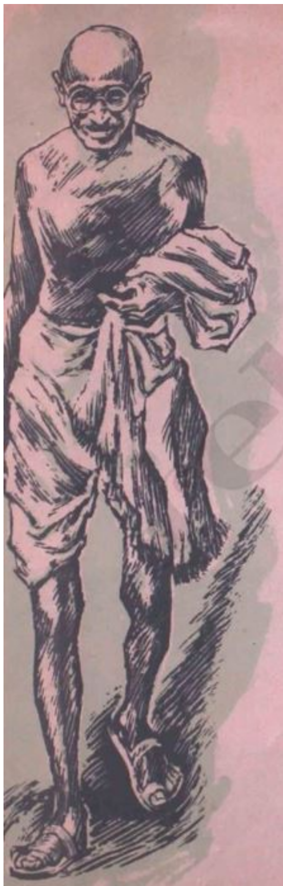

گاندھی جی کا شمار تاریخ کے ان رہنماؤں میں ہے جو امر ہوتے ہیں۔ وہ ایک فلسفی اور سنت، ٹیچر اور معلم اخلاق، ادیب اور مقرر تھے مگر ساتھ ہی بے حد منکسر مزاج انسان۔ ان میں عمل کی زبردست قوت تھی۔ وہ ساری قوم کے باپ تھے اور دوست بھی۔ ایسے انسان جس نے دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیت کی بنیادیں ہلا دیں جو وائسرائےں اور بادشاہوں کے ساتھ ملتا جلتا تھا، مگر بڑی عاجزی کے ساتھ ایک غریب آدمی کی طرح "اچھوتوں" کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بے تاج کا بادشاہ جس کے ملک میں بہترین نفیس کپڑا تیار ہوتا تھا، ہاتھ کے کتے اور بنے موٹے کھدر کی دھوتی پہنتا تھا۔ انھوں نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی زندگی میں جو ان کے پیرو اور معتقد تھے، ایک مقصد پیدا کر دیا اور خود ان کے لئے ہمیشہ جان دینے کے لئے تیار رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نحیف انسان کے جسم میں کسی جن کی سی قوتِ عمل تھی۔

گاندھی جی کیا تھے؟ مہاتما بدھ کے بعد انھیں سب سے عظیم ہندوستانی کہا گیا ہے۔ مگر کیا وہ وہ ان سے بھی زیادہ عظیم نہ تھے؟ ہاں صرف تاریخ ہی اس سوال کا جواب دے سکتی ہے۔

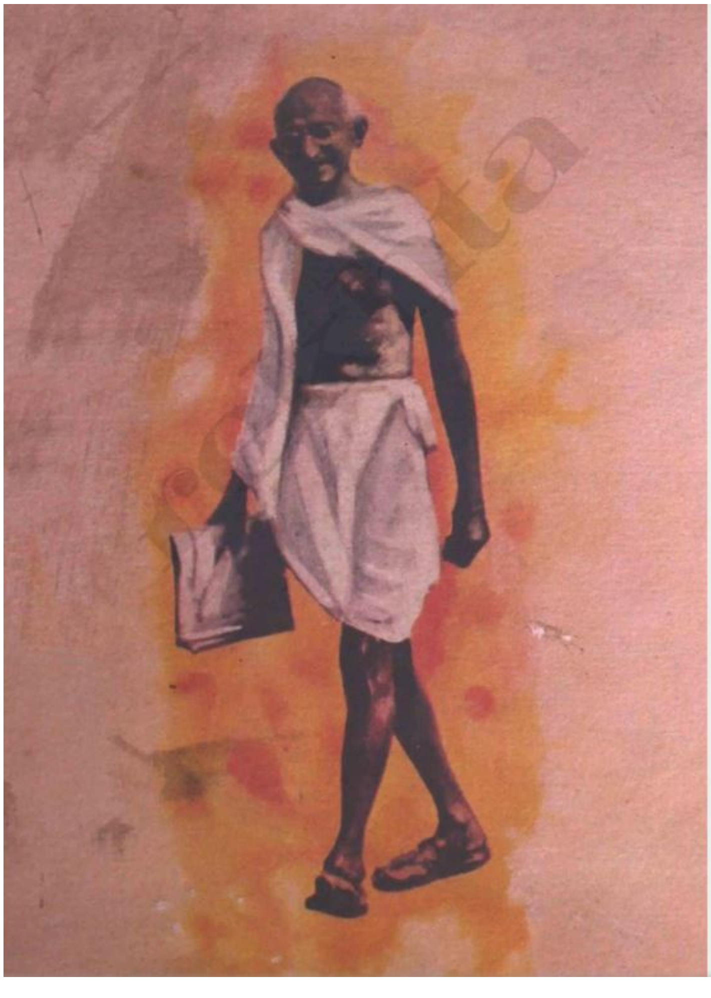

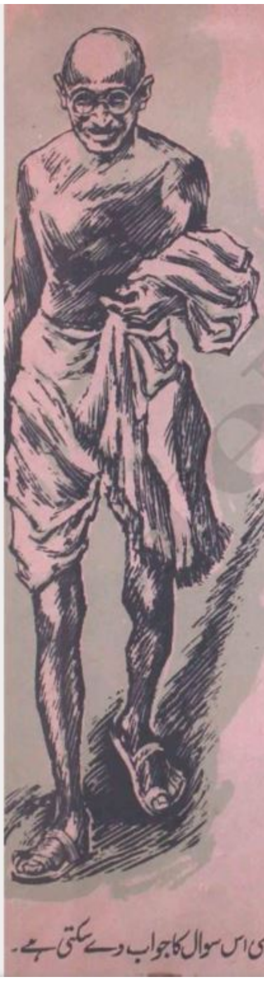

گاندھی جی کا شمار تاریخ کے ان رہنماؤں میں ہے جو امر ہوتے ہیں۔ وہ ایک فلسفی اور سنت، ٹیچر اور معلمِ اخلاق، ادیب اور مقرر تھے مگر ساتھ ہی بے حد منکسر مزاج انسان۔ ان میں عمل کی زبردست قوت تھی۔ وہ ساری قوم کے باپ تھے اور دوست بھی۔ ایسے انسان جس نے دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیت کی بنیادیں ہلا دیں۔ جو وائسرائے اور بادشاہوں کے ساتھ ملتا جلتا تھا، مگر بڑی عاجزی کے ساتھ ایک غریب آدمی کی طرح "اچھوتوں" کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بے تاج کا بادشاہ جس کے ملک میں بہترین نفیس کپڑا تیار ہوتا تھا، ہاتھ کے کتے اور بنے موٹے کھدر کی دھوتی پہنتا تھا۔ انھوں نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کی زندگی میں جو ان کے پیرو اور معتقد تھے، ایک مقصد پیدا کر دیا اور خود ان کے لئے ہمیشہ جان دینے کے لئے تیار رہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نحیف انسان کے جسم میں کسی جن کی سی قوتِ عمل تھی۔ گاندھی جی کیا تھے؟ مہاتما بدھ کے بعد انھیں سب سے عظیم ہندوستانی کہا گیا ہے۔ مگر کیا وہ وہ ان سے بھی زیادہ عظیم نہ تھے؟ ہاں صرف تاریخ ہی اس سوال کا جواب دے سکتی ہے۔